فقہ وتصوف کا باہمی ربط اور صوفیہ کا فقہی ذوق

ڈاکٹر محمد ھمایوں عباس شمس
استاد شعبہ اسلامیات جی سی یونیورسٹی لاہور

اہل علم سے مخفی نہیں کہ جس طرح فقہ اجتہاد اور قیاس کا اصل سرچشمہ اور منبع قرآن وسنت ہیں اسی طرح تصوف یا راہ سلوک وطریقت کی اساس بھی قرآن وسنت پر ہی رکھی گئی ہے- دوسرے فقہ اگر احکام شریعت کی ظاہری شکل وصورت سے بحث کرتا ہے تو تصوف ان احکام کے باطن وروح کو زیر بحث لاتا ہے- اس کے باوجود بعض کوتاہ نظر یا مفاد پرست لوگ اپنے مخصوص مفادات کی خاطر فقہ وتصوف یا شریعت وطریقت اور فقہ وصوفیاء کے درمیان منافات کا تاثر دینے کی کوشش کرتے ہیں، زیر نظر مضمون میں فاضل مضمون نگار نے تصوف وفقہ کے درمیان باہمی تعلق کو بیان کرتے ہوئے برصغیر کے چند صوفیہ خصوصاً حضرت مجدد الف ثانیؒ کے فقہی ذوق اور فقہی خیالات ونظریات پر روشنی ڈالنے کی ایک کامیاب کوشش کی ہے- (مدیر)

فقہ لغت میں کسی چیز کی حقیقت کے ادراک وفہم کو کہتے ہیں گویا فقہ میں معاملات کے حقائق ودقائق سے گفتگو کی جاتی ہے۔ یہ مروجہ اصطلاح قانون Law سے جداگانہ ہے۔ اصولیین کے ہاں فقہ کی مختلف تعبیرات ملتی ہیں[۱] ان سب کا ماحصل یہی ہے کہ فقہ درحقیقت حیات انسانی کے انفرادی واجتماعی مسائل کا وحی الٰہی کی روشنی میں حل سے عبارت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جیسے جیسے انسانی حیات کے گوشے پھیلتے جارہے ہیں فقہ میں ارتقا ہوتا جارہا ہے۔ البتہ یہ ارتقاء ہر صورت میں کتاب وسنت اور ان سے اخذ کردہ اصول وضوابط کی روشنی میں ہی ہوگا۔ کتاب وسنت کی آفاقیت اور اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ[۲] کا یہی تقاضا ہے کہ علم فقہ جمود کا شکار ہونے کی بجائے نوع بہ نوع مسائل کی عقدہ کشائی کے لئے ہر پل تیار رہے۔ موضوعات فقہ پر بھی غور کریں تو یہ واضح ہوتا ہے کہ یہ حیات انسانی کے ہر گوشے کو سموئے ہوئے ہے۔ الاستاذ مصطفیٰ احمد الزرقاء نے فقہ کے موضوعات کو اس طرح سات شعبوں میں تقسیم کیا ہے۔

۱۔ عبادات
۲۔ احوال شخصیہ (عائلی زندگی سے متعلقہ مسائل)

۳۔ معاملات

۴۔ سیاسیات شرعیہ

۵۔ عقوبات

۶۔ سیر (International Law)

۷۔ آداب (وہ احکام جن کا تعلق اخلاق، محاسن اور رذائل سے ہو)[۲]

اس تقسیم سے یہ عیاں ہوتا ہے کہ فقہ صرف حیات انسانی سے متعلقہ چند مسائل کا نام ہی نہیں بلکہ اخلاقیات سے بھی ہے یہی اخلاقیات وہ بنیادی روح اور جوہر واساس ہیں جو احکام فقہ پر عمل کرنے کے لئے انسان کو تیار کرتے ہیں۔قرآن میں جا بجا مسائل کے تذکرہ کے بعد اتقوا اللّٰہ جیسے الفاظ آئے ہیں جو یہ ظاہر کرتے ہیں کہ ان مسائل پر عمل کا مقصد خالق ومخلوق میں ایک قوی رشتۂ محبت پیدا کرنا ہے، اس رشتہ کی موجودگی میں ان مسائل پر عمل آسان بلکہ لذیذ ہو جاتا ہے۔[۳] اسی مقصد کی تکمیل کے لئے بہت سی آیات میں مسائل کے تذکرہ سے متصلاً صفات الٰہیہ یا عذاب اُخروی کی وعید بھی ملتی ہے۔[۴]

علماء نے فقیہ کی جو خصوصیات ذکر کی ہیں وہ بھی ظاہر کرتی ہیں کہ فقہ علمی موشگافیوں کا ہی نام نہیں بلکہ ''عبادالرحمٰن'' تیار کرنا مقصود ہے۔علامہ شامی نے فقیہ کی صفات ان الفاظ میں بیان کی ہیں:

انماالفقیہ الزاھدفی الدنیاالراغب فی الاخرۃالبصیر بدینہ المداوم علی عبادۃربہ ورع الکاف عن اعراض المسلمین العفیف عن اموالھم الناصح بجماعتھم.[۵]

فقیہ دنیا سے بے رغبت، آخرت کا طالب دین کا دیدور، ہمیشہ عبادت گزار، متقی، مسلمانوں کی عزت سے نہ کھیلنے والا، لوگوں کے مال سے پرہیز کرنے والا اور عامۃ المسلمین کا خیر خواہ ہوتا ہے۔

اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ فقیہ اپنی ذات میں وہ تمام اوصاف سموئے ہوئے ہوتا ہے جو ایک صوفی میں ہونی چاہیے اسی مقام سے فقہ اور تصوف میں ایک ربط اور تعلق شروع ہو جاتا ہے۔ فقہ اگر حیات اجتماعی کا ظاہری پہلو ہے تو تصوف اسکا باطنی رخ ہے۔فقہ کا تعلق اگر مسائل عملیہ سے ہے تو تصوف اس کا اخلاقی پہلو ہے۔ فقہی مسائل میں اخلاص، استقامت ومداومت کردار کا حسن ورعنائی، اور جذبوں میں حقانیت تصوف سے آتی ہے۔ ہمیشہ سے فقہاء اگر چہ بعض نے تصوف کا نام نہیں لیا مگر وہ سارے اعمال ووظائف سرانجام دیئے جو صوفیہ کرتے ہیں۔امام ابوحنیفہؒ فقہاء کے امام و سرتاج ہیں مگر آپ کے معمولات کسی بھی بڑے صوفی سے کم نہیں۔ابوعبداللہ محمد بن احمد بن ابوبکر القرطبی

(م:۶۷۱ھ/۱۲۷۴ء) کی تفسیر الجامع لأحکام القرآن والمبین لماتضمنه من السنة وآی الفرقان تعارف کی محتاج نہیں۔ مالکی فقہ میں آپ مجتہد فی المذھب کے مقام پر فائز تھے۔ احکامی تفاسیر میں اس کا شمار ہوتا ہے۔

علامہ مقری نے آپ کے بارہ میں حافظ عبدالکریم کا قول نقل کیا ہے جو آپ کی حیات کے صوفیانہ منہج کو ظاہر کرتا ہے۔

"انه کان من عبادالله الصالحین والعلماء العارفین الورعین الزاهدین فی الدنیا، المشتغلین بما یعنیهم من امورالآخرة فیما بین توجه وعبادة وتصنیف"

قرطبی اللہ کے نیک بندوں، علماء عارفین اور متقین میں سے تھے جو دنیا سے بے نیاز، حقیقت میں کام آنے والے امورِ آخرت میں مشغول رہتے ہیں جیسے اللہ کی طرف توجہ، عبادت اور تصنیف وتالیف وغیرہ۔[۶]

ہماری تاریخ میں ابن تیمیہ کو تصوف دشمن اور خشک فقیہ کے طور پر پیش کیا جاتا ہے جبکہ ان کے بارہ میں سید ابوالحسن ندوی لکھتے ہیں: "ابن تیمیہ کے واقعات بتلاتے ہیں کہ ان کو یقین ومشاہدہ حاصل تھا اور اس نے ان کے اندر ایک افتقار واضطرار اور ایک انابت وعبودیت کی کیفیت پیدا کردی تھی۔ جب ان کو کسی مسئلہ میں اشکال یا کسی آیت کے سمجھنے میں دقت ہوتی تھی تو وہ کسی مسجد میں چلے جاتے تھے اور پیشانی خاک پر رکھ کر دیر تک یہ کہتے رہتے یامعلم ابراهیم فهمنی (اے ابراھیم کو فہم عطا کرنے والے مجھے اسکی سمجھ عطا فرما)، ذہبی کہتے ہیں: "میں نے گریہ وزاری، اللہ تعالیٰ سے استمداد اور فریاد اور توجہ الی اللہ میں ان کی نظیر نہیں دیکھی۔"[۷]

ملاعلی قاری کا یہ بیان قابل توجہ ہے:

ومن طالع شرح منازل السائرین تبین له انهما کانامن اکابر اهل السنة والجماعة ومن اولیاء هذه الامة.[۸]

(جس نے بھی ابن قیم کی کتاب شرح منازل السائرین کا مطالعہ کیا ہوگا اس پر یہ واضح ہوجائے گا ابن تیمیہ اور ابن قیم اہل سنت کے اکابرین اور اس امت کے اولیاء سے ہیں)

ان دونوں کا باہمی ربط ہمیشہ سے رہا اور علماء نے اس موضوع پر مستقل تصانیف بھی رقم فرمائیں۔ ان دونوں کے ربط وتعلق کا اشارہ حدیث جبرئیل سے بھی ملتا ہے۔ ۸-[۱] شارح بخاری علامہ

شیخ احمد زروق رحمۃ اللہ علیہ نے فقہ اور تصوف کی شیرازہ بندی، ان کی ہم آہنگی اور دونوں میں توافق پر ''قواعد الطریقة فی الجمع بین الشریعة و الحقیقة'' کے عنوان سے کتاب رقم فرمائی۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے ان میں سے اٹھائیس اقوال نقل کر کے ان کی شرح کی ہے جن میں علماء ظاہر وباطن کے درمیان مفاہمت کا راستہ تجویز کیا ہے اس کتاب کا نام ''تحصیل التعرف فی معرفته الفقه و التصوف'' ہے۔۹ جس کا ترجمہ علامہ عبدالحکیم شرف قادری نے ''تعارف فقہ وتصوف'' کے نام سے کیا۔۱۰

شیخ احمد زروق نے فقہ وتصوف کے باہمی ربط کے بارہ میں تحریر کیا کہ ''فقہ کا حکم صفتِ عموم کے ساتھ موصوف ہے، کیونکہ اس کا مقصد دین کے احکام کا قائم کرنا، اس کی نشانیوں کا بلند کرنا ہے، اور تصوف کا حکم خصوصیت کی صفت کے ساتھ موصوف ہے، کیونکہ تصوف بندے اور اللہ رب العزت کے درمیان معاملہ ہے، اس سے زائد نہیں ہے۔ (چونکہ فقہ کا حکم عمومی ہے) اس لئے فقیہ کا صوفی پر انکار صحیح ہے جب کہ صوفی کا فقیہ پر انکار صحیح نہیں،۱۱ احکام اور حقائق کے سلسلے میں تصوف سے فقہ کی طرف رجوع ضروری ہے یہ نہیں کہ فقہ کو پس پشت ڈال دیا جائے اور اس کے بغیر اکتفا کیا جائے، تصوف فقہ کے بغیر نہ صرف یہ کہ کافی نہیں بلکہ صحیح ہی نہیں، تصوف کی طرف رجوع فقہ کے ساتھ جائز ہے، اگر چہ تصوف فقہ سے مرتبہ میں اعلی ہے، تاہم فقہ میں سلامتی زیادہ اور مصلحت کا پھیلاؤ زیادہ ہے، اسی لئے کہا گیا ہے کہ فقیہ صوفی بنو، صوفی فقیہ نہ بنو (یعنی پہلے علم فقہ حاصل کرو پھر صوفی بنو) اسی طرح کہا گیا ہے کہ فقہا کا صوفی، صوفیہ کے فقیہ سے زیادہ کمال اور سلامتی والا ہے۔ ان دونوں (فقہ اور تصوف) میں کوئی بھی دوسرے کے بغیر مکمل نہیں ہوتا، جیسے طب کا علم تجربہ کی جگہ اور تجربہ کی جگہ طب کا علم کافی نہیں۔۱۲

اس اقتباس سے جہاں صوفی کے لئے علم فقہ کی اہمیت کا پتا چلتا ہے وہیں فقیہ کا ذوق صوفیانہ ہونا بھی سمجھ میں آتا ہے۔ فقیہ کے ہاں علمی موشگافیاں ہیں اور صوفی قابل قدر اخلاق وکردار کی عملی ثابت قدمی کا نام ہے، عبادات کا مقصود یہی چیز ہے اور اللہ تعالیٰ کو پسند بھی یہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب فقیہ صوفی بھی ہوتا ہے تو اس کی نظر قیل وقال سے زیادہ مقصود پر ہوتی ہے اور وہ ظاہری الفاظ سے زیادہ ان کی روح پر عمل کو ترجیح دیتا ہے۔۱۳ کیونکہ تصوف درحقیقت صحبت وبیعت کے ذریعہ سیرت وکردار کی استواری، عقائد میں استحکام واخلاص سے عبارت ہے۔ ان لوگوں کی صحبت کیمیا گر سے انسان نما حیوان، انسان بنتے ہیں۔

ہمارے اسلاف میں سے بہت سے صوفیہ ایسے گذرے ہیں جنہوں نے فقہ پر تصانیف رقم

فرمائیں، فقہی مسائل بیان فرمائے یا ان سے فتاوی منقول ہیں۔ یہ لوگ عوام الناس کے لئے سادہ اور عام فہم الفاظ میں، بعض اوقات حکایات وواقعات کی صورت میں ادق مسائل لوگوں کو نہ صرف ذہن نشین کراتے بلکہ ان کے عمل وکردار اور زندگانی کا جزو لاینفک بناتے اسی طرح فقہا کی ایک کثیر تعداد ایسی نظر آئے گی جن کے اذواق صوفیانہ تھے۔ مولانا عبدالماجد دریابادی کا یہ اقتباس بھی ان دونوں (فقہ وتصوف) کے باہمی ربط کو ظاہر کرتا ہے: ''خواجہ معین الدین اجمیری سلسلہ چشتیہ کے مسلّم مقتدا ے بزرگ گزرے ہیں۔ ملفوظات مبارک کا مجموعہ دلیل العارفین کے نام سے خواجہ قطب الدین بختیار کا فراہم کیا ہوا شائع ہو چکا ہے۔ رسالۂ مذکور اول سے آخر تک نماز وعبادات کی تاکید اور اتباع رسول ﷺ کے فضائل سے لبریز ہے۔ وضوء وغیرہ کے بعض معمولی سنن کی پابندی پر اتنا زور دیا گیا ہے کہ آج اکثروں کو فرائض میں اس کا نصف اہتمام بھی نصیب نہیں اور اس باب میں اس سے بھی زیادہ قابل ذکر بانی سلسلہ عالیہ قادریہ محبوب سبحانی حضرت شیخ جیلانی کی کتاب غنیۃ الطالبین ہے۔ [۱۴] جو شروع سے آخر تک بجائے کسی درویش وصوفی کے ایک ٹھیٹھ فقیہ اور عالم متشرع کی فقہی تالیف نظر آتی ہے۔'' [۱۵] آپ کی شخصیت کا ''صوفی'' حنبلیت سے جدا نہیں ہوا۔

یہ کتاب حنبلیت کی Hand Book ہے۔ W.Braun کے بقول:

"It sets forth in the form of a Hanbalite hand book the knowledge necessary for the believer" [۱۶]

اسی طرح مولانا عبدالماجد دریابادی حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ کے بارہ میں لکھتے ہیں: ''عہد نبوت سے تقریباً ایک ہزار سال گزرنے پر شیخ احمد سرہندی پیدا ہوئے جنہوں نے نہ صرف سلسلہ نقشبندیہ بلکہ تمام سلاسل تصوف میں تجدید واصلاح کا صور اس بلند آہنگی کے ساتھ پھونکا کہ اس کی صدائے بازگشت آج تک دنیائے اسلام کے در ودیوار سے آرہی ہے۔ شیخ موصوف کے مکتوبات کے ضخیم دفتر ملک میں شائع ہو چکے ہیں ان میں شروع سے آخر تک مختلف اسلوبوں اور پیرایوں میں صرف ایک ہی دعویٰ کی تکرار، صرف ایک دعوت کا اعادہ ہے اور وہ یہی ہے کہ صوفیہ کو عقائد واعمال میں سے ہر شے میں کتاب وسنت ہی کو اپنا دلیل راہ بنانا چاہیے اور اس کے خلاف جس کسی کے بھی اقوال ہوں انہیں مردہ سمجھنا چاہیے۔

صوفیہ کے تذکار میں بعض کے فقہی ذوق کی چند مثالیں پیش خدمت ہیں۔

۱۔ شاہ کلیم اللہ سلسلہ چشتیہ کے نامور صوفی ہیں۔ آپ نے علمائے احناف کی آراء کے مطابق تفسیر لکھی۔ فقہی موشگافیوں سے گریز کیا گیا ہے لیکن حنفی مسلک کی برتری ثابت کرنے کی کوشش نمایاں ہے۔ [۱۷]

۲۔ خواجہ شاہ سلیمان تونسویؒ (متوفی ۱۲۶۷ھ/۱۸۵۰ء) کے بارہ میں خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں: آپ نے منطق کی مشہور کتاب قطبی پڑھی، اور فقہ پر پورا عبور حاصل کیا۔[۱۸]

''حدیث وفقہ پر عبور کا یہ عالم تھا کہ جب کوئی مسئلہ آپ سے دریافت کیا جاتا تو برجستہ اسناد نقل کر دیتے۔ ایک مرتبہ قبلہ عالم کے عرس میں تشریف فرما تھے ایک عالم نے کچھ مسائل دریافت کئے۔ آپ نے برجستہ ان کا شافی وکافی جواب عنایت فرمایا۔[۱۹] علم فقہ کی اہمیت کے بارہ میں آپ فرماتے: علم فقہ اور تفسیر لازمی ہیں فرض، واجب، سنت، مستحب اور مکروہ کا جاننا علم فقہ پر منحصر ہے باقی علوم تو سر دردی ہیں۔[۲۰]

۳۔ مولانا محمد مسعودؒ (متوفی ۱۳۰۹ھ/۱۸۹۲ء) نقشبندی سلسلہ کے معروف شیخ ہیں۔ آپ کو مفتی دہلی اور فقیہ الہند کے القابات سے یاد کیا جاتا ہے۔ آپ مسجد فتح پوری میں خطیب تھے وہاں آپ نے دارالافتاء قائم کیا۔ فقہ پر آپ کی درج ذیل تصانیف ہیں:

۱. **الدرۃ الیتیم فی القرآن العظیم**
۲. **درر ثمانیہ**
۳. **رسالہ سماع وغنا**
۴. **رسالہ رھن**
۵. **نور الھادین فی تحقیق آمین**
۶. **رسالہ جمعہ**
۷. **فتاوی مسعودیہ**[۲۱]

۴۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ (متوفی ۱۲۲۵ھ) کے بارہ میں شیخ محسن بن یحیی کی یہ رائے زیر بحث موضوع سے بڑا گہرا ربط رکھتی ہے وہ لکھتے ہیں:

کان فقیھا اصولیا زاھدا مجتھدا له اختیار فی المذھب ومصنفات عظیمه فی الفقه والتفسیر والزھد وکان شیخه المظھر یفتخر به.[۲۲]

وہ فقیہ، اصولی، زاہد اور مجتہد تھے، فقہ حنفی میں ان کے اپنے مختارات ہیں آپ کے شیخ مظہر جان جاناں شہید کو آپ پر فخر تھا۔

آپ کی تصانیف میں تفسیر مظہری، جہاں آپ کے بلند پایہ عالم وفقیہ ہونے پر دلالت کرتی ہے وہاں اپنے شیخ سے عقیدت ومحبت کی آئینہ دار بھی ہے کیونکہ آپ نے اسے اپنے شیخ کے نام سے موسوم کیا۔ اس تفسیر کی فقہی حیثیت اور اہمیت وضرورت پر ڈاکٹر سالم قدوائی نے ان الفاظ میں روشنی

ڈالی ہے: ”عام طور سے ان کے زمانے میں عربی زبان میں جو تفسیریں رائج تھیں وہ زیادہ تر شوافع کی لکھی ہوئی تھیں۔ بیضاوی اپنے دقیق اسلوب اور علمی نکات کی وجہ سے درس میں داخل تھی لیکن بیضاوی میں عبارت کا اختصار، رمز و اشارے تک پہنچ جاتا۔ بیضاوی چونکہ مسلکاً شافعی ہیں، اس لئے فقہی مباحث میں حنفیوں کے نکتۂ نظر کی وضاحت نہیں ہوتی۔ ہندوستان کے باشندے زیادہ تر حنفی مذہب سے تعلق رکھتے ہیں اس لئے طلباء کو اس کے مطالعہ میں بڑی الجھنیں ہوتی ہیں۔ قاضی صاحب نے ان حالات کے پیش نظر قرآن مجید کی مفصل تفسیر دس جلدوں میں لکھی اور اپنے پیر و مرشد حضرت مظہر جان جاناں شہید رحمۃ اللہ علیہ کے نام پر اس کا نام تفسیر مظہری رکھا۔ انہوں نے ضروری تفسیر کے ساتھ مسائل کی تشریح میں حنفیوں کے نکتۂ نظر کو مدلل طور پر پیش کیا ہے۔“ [۲۳]

فقہ اور اصول میں قاضی صاحب مجتہد کے درجہ پر فائز تھے۔ آپ نے علم فقہ پر ایک مبسوط کتاب بھی لکھی، جس میں ہر مسئلے کے مآخذ، دلائل اور مذاہب اربعہ میں مجتہدین کے مختارات بیان کئے ہیں اور ان میں سے جو خود ان کے نزدیک زیادہ صحیح ہیں، ایک جدا رسالے کی صورت میں تحریر کر کے ”رسالہ مآخذ الاقوی“ نام رکھا۔ علم اصول میں بھی انہوں نے اپنے مختارات لکھے ہیں۔ اس رسالہ کا نام ”پنج روزی در اصول فقہ“ ہے۔ [۲۴]

۵۔ شیخ احمد صدیقی امیٹھوی معروف بہ ملا جیون (۱۰۴۷-۱۱۳۰ھ) ہندوستان کے نامور شیخ و فقیہ ہیں۔ آپ نے شیخ یسین بن عبدالرزاق قادری سے خرقہ تصوف حاصل کیا۔ آپ کی فقہ و اصول فقہ پر درج ذیل دو کتابیں شہرت دوام حاصل کر چکی ہیں۔

۱۔ تفسیرات احمدیہ: اس میں فقہی انداز سے آیات احکام کی وضاحت کی گئی ہے۔

۲۔ نور الانوار فی شرح المنار: شیخ ابوالبرکات النسفی کی تصنیف ”منار الانوار“ کو اصول فقہ میں بہت اہم گردانا جاتا ہے۔ ملا جیون نے نور الانوار کے نام سے اس کی شرح دو مہینے سات دن میں لکھی یہ کتاب اب تک داخل نصاب ہے۔ [۲۵]

۶۔ برصغیر کی جن علمی شخصیات نے عالم عرب میں بھی شہرت حاصل کی اور ان کی تصانیف سے اہل اسلام آج تک مستفید ہو رہے ہیں ان میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی شخصیت بھی نمایاں ترین ہے۔ آپ نے سلسلہ قادریہ میں حضرت موسیٰ پاک شہید ملتان (متوفی ۱۰۰۱ھ) کے دست اقدس پر بیعت کی، مکہ معظمہ میں شیخ عبدالوہاب متقی نے آپ کو چار سلسلوں چشتیہ، قادریہ، شاذلیہ اور مدنیہ کی اجازت عطا فرمائی۔ سلسلہ نقشبندیہ میں حضرت خواجہ باقی باللہؒ (متوفی ۱۰۱۲ھ) کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے۔ فقہ پر آپ کی تین تصانیف ہیں:

۱۔ فتح المنان فی تائید النعمان

۲۔ الفوائد

۳۔ ھدایت الناسك الی طریق المناسك۲۶

۷۔ شاہ عبدالرحیمؒ (متوفی ۱۱۳۱ھ) جنکے صوفیانہ افکار پر شاہ ولی اللہ نے انفاس العارفین میں بحث کی ہے، بلند پایہ فقیہہ بھی تھے۔ فتاوی عالمگیری کے باقاعدہ مرتبین میں تو شامل نہ تھے البتہ اس کی ترتیب وتدوین کے بعد اس کی نظر ثانی میں آپ کا حصہ ہے۔۲۷

۸۔ برصغیر کی تاریخ میں ماضی قریب کی باطل تحریکات کا جب بھی نام آئے گا تو اس کے ابطال کے لئے پروردگار عالم نے جس کو حق کا ترجمان بنا کر بھیجا، اس کا ذکر خیر بھی لازماً ہوگا۔ پیر سید مہر علی شاہؒ (متوفی ۱۹۳۷ء) ہی صوفیہ کے وہ سرخیل ہیں جنہوں نے طاغوتی طاقتوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ صوفیہ میں ابن عربی کی کتابوں کے آپ ماہر تھے۔ علامہ اقبال نے ابن عربی کے بعض نظریات کو سمجھنے کے لئے آپ کو خط لکھا تھا۔۲۷-لے اپنی صوفیانہ مشغولیات کے ساتھ ساتھ فتاوی نویسی کا کام بھی کیا۔ آپ کی سوانح حیات مہر منیر کے مصنف مولانا فیض احمد فیض اس سلسلہ میں لکھتے ہیں: ''حضرت قبلہ عالم قدس سرہ نے بوجہ اپنی مصروفیات جو ارشاد و تلقین سلوک اور تدریس کتب تصوف وغیرہ پر مشتمل تھیں فتوی نویسی کا کام آستانہ عالیہ پر مقیم متبحر علمائے کرام کے سپرد کیا ہوا تھا جو خود بعد تکمیل ملاحظہ فرمالیا کرتے تھے۔ مگر بعض زیادہ قابل تحقیق یا ہنگامی فتاوی خود بھی اپنے قلم مبارک سے تحریر فرماتے تھے جن کو راقم الحروف (یعنی مولانا فیض احمد فیض) نے ایک مجموعہ کی شکل میں ۱۳۸۲ھ (۱۹۶۰ء) میں شائع کروایا۔۲۸

سوانح نگار نے جو فتاوی نقل کئے ہیں ان سے آپ کی فتوی نویسی میں مہارت کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

فتاوی مہریہ کے علاوہ آپ کے ملفوظات، مکتوبات اور تصانیف میں سے **اعلاء کلمۃ اللہ فی بیان ما اھل بہ لغیر اللہ** بہت سے دلچسپ فقہی مباحث کا مجموعہ ہیں۔

یہ تھے صوفیانہ مزاج کے فقہا یا فقہ کے بحر ناپیدا کنار میں غواصی کرنے والے صوفیہ، ان کی وجہ شہرت فقہ یا تصوف کسی ایک شعبہ میں خدمات ہی بنیں اور دوسرا شعبہ نظروں سے اوجھل ہوگیا۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اخلاق ومعمولات کبار صوفیہ کی مثل تھے مگر وجہ شہرت فقہ بنی، حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی بلند پایہ حنبلی فقیہ تھے مگر چار دانگ عالم میں امام الاولیاء کے حوالہ سے معروف ہوئے۔ ذیل میں تین سلسلوں کی تین ایسی شخصیات کا تذکرہ قدرے تفصیل سے کیا جاتا ہے جو ایک صوفی کی

حیثیت سے معروف ہیں مگر مسائل فقہ میں مؤثر انداز بیان اور محکم قوت استدلال کی بناء پر فقہاء کے طبقہ میں بھی شامل ہونے چاہیں۔ وہ تین فقیہ صوفی درج ذیل ہیں:

۱۔ حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ

۲۔ حضرت شرف الدین یحییٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ

۳۔ حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ

-☆-

خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ

سلسلہ عالیہ چشتیہ نے برصغیر میں اسلامی فکر کے فروغ اور ایمان و دین کی دعوت و تبلیغ کے لئے جو نمایاں خدمات انجام دیں وہ برصغیر پاک و ہند کے مسلمانان پر احسان عظیم ہے۔ اس سلسلہ کی نظامی شاخ کے بانی خواجہ نظام الدین (متوفی ۷۲۵ھ/ ۱۳۲۵ء) ایک صوفی باصفا ہی نہ تھے بلکہ ایک نکتہ رس، فقیہ، محدث، مفسر، محقق، ادبیات فارسی کے متجر عالم تھے۔

وقت کے انتہائی زرخیز اور طباع دماغ رکھنے والے اور کمال درجہ کی تخلیقی ذہانت کے حامل افراد، آپ کے حلقہ ارادت میں شامل تھے۔ آپ نے علم و ادب کے ایک منفرد دبستان کی بنیاد ڈالی اور دبستان نظامؒ ایک ممتاز علمی و ادبی تحریک کا نقطۂ آغاز بنا۔ علمی مباحث سے آپ کی دلچسپی کا یہ عالم تھا کہ آپ کو لوگ مولانا نظام الدین بحاث و محفل شکن کے خطاب سے مخاطب کرتے۔ ۲۹

فقہ و اصول فقہ میں آپ نے عبور حاصل کیا مناظر احسن گیلانی حدیث اور فقہ پر عبور کے بارہ میں لکھتے ہیں: میں سلطان المشائخ کی سوانح عمری اس وقت نہیں بیان کر رہا ہوں ورنہ دکھاتا کہ حدیث اور فقہ کے جوہری اور اساسی حقائق پر ان کی کتنی گہری نظر تھی خصوصاً حنفی فقہ پر۔ ۳۰

اپنے مریدین کی تعلیم کا جو اہتمام کرتے' اس میں بھی فقہ کو خصوصی اہمیت حاصل تھی۔ حضرت عثمان سراج کو بنگال بھیجنے کے لئے خواجہ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ نے جو کتابیں ان کو پڑھوائیں ان میں فقہ کی قدوری اور مجمع البحرین ۳۱ بھی شامل ہیں۔

مولانا فخر الدین زرادی (متوفی: ۷۴۸ھ) ۳۲ جو متبحر عالم اور آپ کے نامور خلفاء میں سے ہیں زمانہ طالب علمی میں آپ کے پاس حاضر ہوئے۔ خواجہ نے پوچھا کیا پڑھ رہے ہو؟ کہا "ہدایہ" پوچھا کہ سبق کہاں تک پہنچا ہے؟ اس وقت مولانا زرادی خواجہ کے قریب ہوئے اور اپنے سبق کے متعلق بتایا۔ حضرت خواجہ نظام الدین نے ان کے سبق سے متعلق تقریر کی اور جو شبہ سبق میں باقی رہ گیا تھا اس کا عالمانہ، کمال تبحر کے ساتھ دانش مندوں کے طریقے سے جواب دیا۔ مولانا زرادی محو حیرت

تھے درویش کے علم فقہ میں مہارت پر۔۳۴

فقہ میں آپ کی مجتہدانہ روش کا ذکر کرتے ہوئے نثاراحمد فاروقی (متوفی:۲۰۰۴ء) نے لطائف اشرفی کے حوالہ سے لکھا ہے:''حضرت نے حدیث شریف کا گہرا مطالعہ کیا تھا اور مشارق الانوار کے مؤلف سے آپ کی سند حدیث بدو واسطہ متصل ہوتی ہے،اس مطالعۂ حدیث کا اثر یہ تھا کہ بعض مسائل میں آپ مجتہدانہ روش رکھتے تھے مثلاً حلت سماع،قرأت خلف الامام،اور صلوٰۃ الجنازہ علی الغائب۳۴ جیسے مسائل میں آپ حنفی مسلک سے ہٹ کر شافعی مسلک کے پیرو تھے۔۳۵ نثاراحمد فاروقی نے فوائدالفواد کے جومضامین گنوائے ہیں ان میں فقہ اور اصول فقہ کا ذکر بھی کیا ہے۔۳۶

فقہی مسائل کے لئے بنیادی مآخذ Sources قرآن وحدیث ہیں۔خواجہ نظام الدینؒ نے انہی مآخذ سے استدلال کرتے ہوئے مسائل کا استنباط کیا۔بادشاہ کے دربار میں ایک بار سماع پر مناظرہ ہوا۔۳۶-(آپ نے جواز میں روایات پیش کیں اور علماء نے اقوال فقہ،تو آپ نے فرمایا تھا وہ ملک کیوں کرآباد رہے گا جس میں لوگوں کی رائے کو احادیث پر ترجیح دی جاتی ہو۔۳۷

اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے آپ کو احادیث سے مسائل اخذ کرنے میں کس قدر مہارت تھی۔آپ فقہ حنفی کے مسائل احادیث کی روشنی میں ہی بیان کرتے۔وضوء کے بعد کسی کپڑے سے اعضاء کو صاف کرنے کا مسئلہ بیان کرنے کے لئے حدیث ذکر کرنے کے بعد آپ فرماتے ہیں:''اسی حدیث کی بنا پر امام ابوحنیفہ نے کپڑے سے وضوء کے بعد اعضاء کو صاف کرنے کو مکروہ نہیں جانا۔۳۸

صحابہ نبی کریم ﷺ کی درسگاہ کے اولین تلامذہ ہیں۔ہماری دین تک رسائی انہی نفوس زکیہ کے ذریعہ سے ہوئی۔ان کے اقوال دین میں حجت ہیں اس حوالہ سے احناف کا مؤقف آپ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا:''ایک شخص نے آپ سے پوچھا کہ کیا صحابہ کے عمل کو بھی سنت کہتے ہیں؟فرمایا:ہاں ہمارے مذہب (مذہب امام ابوحنیفہ) میں عمل صحابہ کو بھی سنت کہتے ہیں،لیکن امام شافعی صرف رسول اکرم ﷺ کے عمل وقول کو سنت کہتے ہیں۔''۳۹ اس بیان سے آپ کا حنفی المسلک ثابت ہونے کے علاوہ آئمہ کے اقوال پر گہری نظر ہونے کا پتا بھی چلتا ہے۔کسی نے پوچھا کہ نماز کی ہر دو رکعت میں بسم اللہ پڑھنی چاہیے،یا ہر سورہ کے شروع میں؟آپ نے فرمایا کہ امام اعظم پہلی رکعت میں ایک مرتبہ بسم اللہ پڑھتے تھے بخلاف دوسرے آئمہ کے کہ وہ ہر رکعت کے شروع میں بسم اللہ پڑھتے تھے۔بعضوں نے کہا کہ ہر سورہ کے شروع میں بسم اللہ پڑھنی چاہیے۔ایک حکایت بیان کرنے کے بعد اپنا معمول ان الفاظ میں بیان فرمایا:''مقتدی کو چاہیے کہ ہر رکعت میں بسم اللہ اور فاتحہ پڑھے،میں خود بھی پڑھتا ہوں۔۴۰ لیکن آپ تقلید جامد کے قائل نہ تھے مسائل میں قرآن وحدیث کی روشنی میں

غور وفکر کرنے کے بعد اختلاف آئمہ کی صورت میں محتاط طرز عمل اپناتے۔قرأت خلف الامام بھی انہیں مسائل میں سے ایک ہے۔اس بارہ میں آپ کا نقطۂ نظر ملاحظہ فرمایئے۔

آپ سے پوچھا گیا پیغمبر اسلام ﷺ نے فرمایا: **قراءة خلف الامام خفی فیه الکثکث** فرمایا، اگر اس حدیث کو مدنظر رکھا جائے تو وعید لاحق ہوتی ہے اور اگر ہم اس پر نظر کریں کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: **لاصلوٰة لمن لم یقرء الفاتحة** تو بغیر سورہ فاتحہ کو پڑھے عدم جواز نظر آتا ہے۔ پس وعید کو برداشت کرنا چاہیے اور فاتحہ پڑھ لینی چاہیے تاکہ اجماع کے مطابق نماز جائز ہوجائے ایسا کرنے سے اختلاف سے نکلو گے اور زیادہ احتیاط کے طریقے کو اختیار کرو گے۔[۴۱]

اسی طرح غائبانہ نماز جنازہ میں آپ کا مؤقف احناف سے جداگانہ ہے- فرماتے ہیں:

بعض لوگ نماز جنازہ غائبانہ ادا کرتے ہیں پھر فرمایا کہ یہ جائز ہے اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے نجاشی کی نماز اسی طرح ادا کی تھی جب کہ مردہ موجود نہ تھا۔امام شافعیؒ اس کو اس طرح جائز قرار دیتے ہیں مثلاً اگر مردے کا ہاتھ یا انگلی موجود ہے اس پر بھی نماز جنازہ ادا کی جاسکتی ہے۔[۴۲]

سجدہ تعظیمی کو حضرت خواجہ مباح جانتے،حضرت خواجہؒ کے مؤقف سے علمائے احناف کا اختلاف[۴۳] ایک حقیقت ہے مگر فقیہانہ طرز استدلال ملاحظہ فرمائیں جو بات بھی کبھی فرض رہی ہو جب اس کی فرضیت چلی جاتی ہے تو استحباب باقی رہتا ہے جیسا کہ ایام بیض اور ایام عاشورہ کے روزے ماضی کی امتوں پر فرض تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں چونکہ ماہ رمضان کا روزہ فرض ہوا تو ایام بیض اور ایام عاشورہ کے روزے کی فرضیت اٹھ گئی لیکن استحباب باقی رہا۔اب سجدے پر آتا ہوں ماضی کی امتوں میں یہ مستحب تھا چنانچہ رعیت بادشاہ کو اور شاگرد استاد کو اور امت پیغمبر کو سجدہ کیا کرتی تھی۔ جب عہد رسول علیہ السلام آیا تو یہ سجدہ نہ رہا البتہ اگر استحباب چلا گیا تو اباحت تو رہی۔اگر مستحب نہیں تو مباح ہوگا۔مباح سے انکار اور ممانعت کہاں سے آئی ہے؟[۴۵]

انسان جب کسی چیز کی حکمت جان لیتا ہے تو اس پر عمل آسان ہوجاتا ہے۔شاید اسی وجہ سے بہت سے فقہی معاملات میں آپ نے اعمال کی حکمت بیان فرمائی چند مثالیں درج ذیل ہیں۔

۱۔ آپ سے پوچھا گیا کہ اس کا کیا مقصد ہے کہ نماز میں رکوع ایک ہے اور سجدے دو؟ فرمایا کہ رکوع عبودیت کا دعویٰ ہے اور دو سجدے اس کے گواہ ہیں اور مومنین کے لئے سجدوں میں اشارہ ہے ان کی پیدائش اور موت اور پھر زندہ کئے جانے کی طرف یعنی پہلے سجدے میں اشارہ ہے اس کی پیدائش کی طرف یعنی ''مِنْهَا خَلَقْنَا کُمْ'' کی طرف اور دوسرے سجدہ میں اشارہ ہے موت کی طرف یعنی ''وَفِيْهَا نُعِيْدُ کُمْ'' کی طرف اور سجدے سے سر کا اٹھانا موت کے بعد اٹھنے کی طرف اشارہ ہے

یعنی ''مِنھَانُخرِجُکُمْ تَارَۃً اُخریٰ'' کی طرف۔۴۶؎

۲۔ آپ سے پوچھا گیا علماء دین اور آئمہ اسلام کہتے ہیں کہ سنتیں، مستحبات، واجبات اور نفل فرائض کے مکمل کرنے والے ہیں اس دعویٰ کی دلیل کیا ہے؟ فرمایا کہ سب سے بڑا مقصد نماز سے ذکر حق ہے، جیسا کہ **اقم الصلوٰۃ لذکری** اور **فاسعوا الی ذکر اللّٰہ** سے ظاہر ہے۔ ذکر حضور قلب کے ساتھ ہونا چاہیے جیسا کہ **لاصلوٰۃ الابحضور القلب** سے ظاہر ہے اور حضور قلب جس کا نام ہے وہ نماز میں اول سے آخر تک ہونا چاہیے۔ پس انسان کو چاہیے کہ وہ سوچے کہ ان دو رکعت فرض میں جو صبح کو اس نے ادا کی تھیں کس قدر حضور قلب تھا۔ اگر فرض کرلیا جائے کہ ایک رکعت میں حضور قلب تھا اور دوسری رکعت میں وہ غافل تھا تو اس کو چاہیے کہ وہ نفل اس کے بعد ادا کرے، ان میں حضور قلب کی تلاش کرے اور فرض میں جس مقدار میں کمی محسوس کرے، نوافل میں اسی قدر حضور قلب کو بڑھائے تاکہ توازن برابر ہوجائے۔۴۷؎

اعمال کے بجالانے میں بعض اوقات آپ ایسے نکتے بیان فرماتے جو انسان کو دین کی اصل روح کی طرف لوٹاتے اور دینی معاملات کے بہت سے خفیہ گوشے آشکارا کرتے۔ آپ اپنے شیخ کے حوالہ سے فرماتے ہیں: زکوٰۃ کی تین قسمیں ہیں زکوٰۃ شریعت، زکوٰۃ طریقت، زکوٰۃ حقیقت۔ پھر ان کی وضاحت اس طرح فرمائی ''زکوٰۃ شریعت'' یہ ہے کہ دوسو درہم میں پانچ درہم راہِ خدا میں دیں۔ ''زکوٰۃ طریقت'' یہ ہے کہ دوسو درہموں میں سے پانچ درہم کو محفوظ رکھ کر باقی سب کچھ راہ خدا میں دیں۔ ''زکوٰۃ حقیقت'' یہ ہے کہ سارا مال خدا کی راہ میں دے دیں اور باقی کچھ نہ رکھیں۔۴۸؎

ایک اور لطیف نکتہ ملاحظہ فرمائیں جو جنید بغدادی کے حوالہ سے آپ نے بیان فرمایا ''خواجہ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ اپنے عہد کے علماء سے کہا کرتے تھے **یاعلماء السوء ادوا زکوٰۃ العلم**. اے برے عالمو! اپنے علم کی زکوٰۃ دیا کرو۔ ان سے پوچھا گیا کہ اس زکوٰۃ سے کیا مراد ہے؟ بولے کہ جو دوسو مسئلے تم نے یاد کئے ہیں ان میں سے پانچ مسئلوں پر عمل بھی کرو اور جو دوسو حدیثیں آتی ہیں ان میں سے پانچ کو معمول بھی بناؤ۔۴۹؎

یہ تھا آپ کا تفہیم دین کا انداز اور اسلوب۔

حضرت شرف الدین یحییٰ منیری

حضرت مخدم شرف الدین یحییٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ۴۹۔لہ (متوفی ۷۸۲ھ-۱۳۷۱ء) کی بدولت برصغیر میں سلسلہ فردوسیہ کو فروغ و مقبولیت ملی۔ آپ نے علامہ اشرف الدین ابوتوالہ سے تفسیر، حدیث، فقہ اور دیگر علوم پڑھے۔ حضرت نجیب الدین فردوسی کے ہاں بیعت ہوئے۔ آپ کی

تصانیف کی تعداد سترہ سو بتائی جاتی ہے۔ ہر تصنیف اپنی جگہ قابل قدر ہے مگر آپ کے تبحر علمی کا مظہر آپ کے مکاتیب ہیں۔ سید ضمیر الدین احمد کے بقول سارے مکتوبات کا ایک ہی موضوع ہے اور وہ رشتۂ خداوندی اور بندگی ہے۔ شاہ محمد نعیم فردوسی نے آپ کی فقہ میں مہارت اور فقہی مسائل میں اسلوب تحقیق کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے: صاحب سیرۃ الشرف لکھتے ہیں فقہ میں مخدوم کو اول درجہ کی دستگاہ حاصل تھی۔ بلکہ ان کو منصب اجتہاد حاصل تھا۔ یعنی تفقہ فی الدین کا عجب عالم تھا۔ قرآن وحدیث سے مسائل کا استنباط کرنا اور پھر اس پر عقلی دلیل قائم کرنا آپ کے نزدیک معمولی بات تھی۔ سنت الٰہی کے آپ ماہر تھے اور سنت نبوی کے تو آپ عاشق ہی تھے اس لئے آپ کی نظر میں بڑی وسعت تھی اور دوسرے فقہا کی طرح سخت گیر نہ تھے، آپ آسانی اور وسعت کے حامی تھے۔ آپ خوب سمجھتے تھے کہ قدم قدم پر جکڑنے سے دنیا نہیں چل سکتی اس لئے فطرت انسانی سختی کے بوجھ کو برداشت نہیں کر سکتی لہٰذا اس سے مذہب وتمدن دونوں میں خلل پڑنے کا اندیشہ ہے۔ آپ کی نظر افراد انسانی کے ہر طبقہ پر تھی۔ اس لئے **لا اکراہ فی الدین** کو اجتہاد کے وقت ہمیشہ پیش نظر رکھتے تھے۔ ۵۰

آپ کو دین میں تنگی مشکل ناپسند تھی۔ آپ کے نزدیک اسلام دین یسر ہے۔ قلت تکلیف اور عدم حرج کے اصول آپ کے پیش نظر رہتے۔ اپ کے اس طرز عمل کو پروفیسر اقتدار حسین صدیقی نے الفاظ کی صورت میں یوں بیان کیا ہے۔ ان کی تصانیف اور ملفوظات سے ان کے تبحر عملی اور شریعت کے احترام کا جذبہ پایا جاتا ہے وہ ہر اس بات کے خلاف تھے جو قرآن کے تصور توحید سے ٹکراتی ہو وہ اعتدال پسند بھی تھے۔ علمی سختی کو ناپسند کرتے تھے۔ ان کے نزدیک دین کو اس طرح پیش کیا جانا چاہیے کہ وہ انسان کی اصلاح اور آسانی دونوں کا ذریعہ بنے۔ وہ ہمیشہ ان علماء کے طرفدار رہے جو کہ انسانی مسائل کے حل کے سلسلے میں سہولت کو مدنظر رکھ کر فتویٰ دیتے تھے۔ ایک دفعہ ان کے سنار گاؤں کے زمانہ قیام میں مسلمانوں میں چونے کے استعمال پر اختلاف پیدا ہو گیا چونے کا پان کے ساتھ استعمال ہوتا تھا اور چونا صدف سے بنایا جاتا تھا لوگوں کو اعتراض تھا کہ صدف کا استعمال جائز نہیں لیکن معتدل مزاج علماء نے اس کے جواز کا فتویٰ دیا اگر ایسا نہ کیا جائے تو ہزاروں لوگ جو چونا کھانے کے عادی ہو گئے تھے وہ مشکل میں پڑ جاتے اور جو اس کا استعمال کرتے وہ حرام چیزوں کا استعمال کرنے والے متصور ہوتے۔ شیخ نے فتویٰ کی تعریف کرتے ہوئے مریدوں کو بتایا: راہِ اسلام بہت کشادہ ہے، جس چیز سے لوگوں کو دشواری پیش آئے اس سے احتراز کرنا چاہیے بشرطیکہ قرآن اس کی ممانعت نہ کرتا ہو۔ ۵۱

مکتوبات کے علاوہ ملفوظات کا مجموعہ ''خوان پر نعمت'' مرتبہ زین بدر عربی، میں فقہی اور شرعی مسائل پر بحث کی گئی ہے۔ اسی طرح ''معدن المعانی'' جو ملفوظات کا دوسرا مجموعہ ہے میں بھی فقہی مسائل زیر بحث آئے ہیں۔ آپ کی شخصیت کی جامعیت کو ''معدن المعانی'' (کتاب کا نام) کا تعارف کراتے ہوئے سید صباح الدین نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے: ''اس کتاب کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت مخدوم الملک کی خانقاہ کی مجلسوں میں نہ صرف تصوف کے عقدہ ہائے لاینحل حل کئے جاتے تھے بلکہ وعظ ونصیحت، رشد وہدایت، اوامر ونواہی، اوصاف حمیدہ اور اخلاق حسنہ کی تعلیم بھی جاری تھی۔ ان ہی تعلیمات کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس وقت مذہب وتصوف دو الگ الگ چیزیں نہ تھیں بلکہ دونوں ایک ہی شمع کے دو پرتو تھے۔۵۲

شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ

برصغیر میں مذہبی حوالہ سے عہد اکبر تاریخ کا نازک ترین موڑ تھا جب اسلام دشمنی کی آڑ میں لادینیت کو فروغ دیا جارہا تھا۔ اس مقصد کے لئے درباری ملا بھی میسر آ گئے تھے۔ فکری وعملی انحطاط کے اس دور میں تجدید دین کا فریضہ سرانجام دینے والی شخصیت حضرت شیخ احمد سرہندی (متوفی ۱۰۳۴ھ/ ۱۶۲۴ھ) ہیں۔ دربار سے دور رہ کر انسان سازی کا وہ گراں فریضہ انجام دیا کہ تاریخ نے آپ کو مجدد الف ثانی کے لقب سے خراج عقیدت پیش کیا۔ صوفیہ کی صف میں ایک نامور شخصیت ہونے کے ساتھ ساتھ آپ کا ذوق بھی فقیہانہ تھا۔ آپ کی تصانیف سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ قواعد واصول وفروع احکام میں حنفی المسلک تھے اور امام اعظمؒ سے آپ کو حد درجہ عقیدت تھی۔ اس کے باوجود تمام آئمہ کی جلالت شان کے قائل تھے۔ آپ فقہی مسائل میں اقوال سلف کو بھی بیان کرتے اور اقوال متبائنہ میں تطبیق دیتے یا کسی قول کو ترجیح دیتے۔ یہی وجہ ہے کہ جامع الرموز' تاتارخانیہ، ہدایہ، فتاوی غیاثیہ، حاشیہ شرح وقایہ، فتاوی شافیہ، فتاوی غرائب، فتح القدیر، فتاوی سراجیہ جیسی عظیم الشان فقہی کتب کے حوالہ جات آپ کی تصانیف میں ملتے ہیں۔ آپ کی بے مثال فقہی بصیرت کی بنا پر خواجہ ہاشم کشمی نے آپ کے مکتوبات کو ''حلال مشکلات کلامیہ وفقیہ'' لکھا ہے۔۵۳

فقہی مسائل کے بارہ میں آپ کے معمولات کا ذکر کرتے ہوئے وہ مزید لکھتے ہیں: باوجود اس کے کہ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کو مسائل فقہ متحضر تھے اور اصول فقہ پر اعلیٰ دسترس حاصل تھی لیکن اس کے باوجود اکثر ثقہ اور معتبر کتابوں سے تحقیق انتہائی احتیاط سے کرتے اور آپ پوری عزیمت سے فقہا کبار کے مختار اور مفتی بہ قول پر عمل کرتے تھے اور ایسا عمل جس میں جواز اور کراہت کا پہلو فقہا بیان کرتے تو آپ کراہت کے پہلو کو ترجیح دے کر اس پر عمل نہ کرتے اور فرماتے اگر عدم جواز اور جواز حل

وحرمت کا اختلاف ہو جائے تو جانب عدم جواز اور جانب حرمت کو ترجیح دینی چاہیے۔۵۴

رفع سبابہ کے مسئلہ میں آپ عدم رفع کے قائل ہیں آپ کے اس مؤقف کا رد کرتے ہوئے، علامہ یوسف بنوری نے آپ کی فقہی بصیرت اور دقت نظر کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے لکھا ہے:

"ولاریب ان الشیخ الربانی قداتی فی مکتوبه ذلک مایمکن من قوة الاستدلال بمتانةبالغه وذوق فقهی خالص وآثرفی الانکار منهجا علميا فقهيا بأمتن تعبير ، وهوغاية مايمكن فی الانکار"۵۵

اور بے شک مجدد الف ثانی قوت استدلال سے جتنا ممکن ہوسکا، انتہائی سنجیدگی اور خالص فقہی ذوق سے اس مسئلہ کو اپنے مکتوب میں زیر بحث لائے ہیں۔ انکار سبابہ کے لئے ایک قوی ترین تعبیر سے ایسا طریقہ اختیار کیا جو علمی بھی ہے اور فقہی بھی، اور وہ انتہائی دلیل ہے جو انکار سبابہ میں ممکن ہے۔

حضرت مجدد علم فقہ کے مقابلہ میں دیگر علوم کو ہیچ سمجھتے۔ ایک مکتوب میں کتب فقہ کے مطالعہ کی اہمیت کا احساس دلاتے ہوئے لکھتے ہیں: جس طرح آپ کی مجلس شریف میں کتب تصوف کا ذکر ومطالعہ ہوتا ہے اسی طرح کتب فقہ کا ذکر ومطالعہ ہو۔ فارسی زبان میں فقہ کی بے شمار کتابیں موجود ہیں جیسے مجموعہ خانی، عمدۃ الاسلام اور کنز فارسی، بلکہ اگر آپ کی مجلس شریف میں کتب تصوف کا ذکر ومطالعہ نہ ہو تو کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ تصوف کا احوال سے تعلق ہے وہ قال میں نہیں آسکتا۔ لیکن کتب فقہ کے زیر مطالعہ نہ ہونے سے ضرر ونقصان کا احتمال ہے۔۵۶

ایک مکتوب میں اپنے پیر ومرشد سے اپنی خواہش بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "علماء اور طلبہ علوم کے گرد بیٹھے ہوں اور تلویح ۵۷ کے مقدمات اربعہ کی کسی طالب سے تکرار کر رہا ہو۔ نیز ہدایہ ۵۸ کا تکرار بھی شروع کر رکھا ہو۔"۵۹

شیخ احمد نامی کسی شخص نے اسلام قبول کیا، اس کے لئے نصیحت کرتے ہوئے عبدالکریم سنامی کو لکھتے ہیں: "مشارٌ الیہ (شیخ احمد) نومسلم ہے۔ اس لئے اس کو عقائد کلامیہ جو فارسی کتابوں میں مذکور ہیں، سکھائیں اور احکام فقہیہ کی بھی تعلیم دیں۔ تاکہ فرض، واجب، سنت، مستحب، حلال، حرام، مکروہ و مشتبہ کو پہچان لے اور اس کے موافق اپنی زندگی بسر کرے۔ گلستاں و بوستاں کا پڑھنا بے کاری میں داخل ہے۔"۶۰

درج ذیل مکاتیب میں بھی آپ نے علم فقہ کی اہمیت اور مطالعہ کی ترغیب دلائی ہے:

دفتر اول　　　　مکتوب: ۲۶۶

دفتر دوم مکتوب:۶۱

دفتر سوم مکتوب:۱۷

حضرت مجددؒ اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ ۶۱

شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ چونکہ حنفی المسلک تھے، اس لئے اپنی تصانیف میں جا بجا حضرت امامِ اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارہ میں توصیفی کلمات لکھتے ہیں۔ ان کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''حاسدوں کے بے جا تعصب اور فاسد نظر پر افسوس، ہزار افسوس۔ امام اعظم فقہ کے بانی ہیں۔ تین چوتھائی فقہ ان کے لئے مسلم ہے جبکہ باقی آئمہ ایک چوتھائی میں سارے شریک ہیں۔ فقہ میں صاحب خانہ امام ابوحنیفہ ہیں اور باقی سب ان کے عیال ہیں۔ دوسرے آئمۂ مجتہدین کو وافر علم اور کمال تقویٰ کے باوجود امام ابوحنیفہ کے سامنے بچوں کی طرح دیکھتا ہوں۔''۶۲

فقہ حنفی کی عظمت کو اپنے کشف کی بناء پر ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں: ''بغیر تکلف کے یہ کہا جا سکتا ہے کہ کشف کی نظر سے اس مذہب حنفی کی نورانیت بہت بڑے دریا کی طرح دکھائی دیتی ہے اور باقی مذاہب حوضوں اور نہروں کی مانند نظر آتے ہیں اور ظاہر کی نظر سے دیکھیں تب بھی یہی کچھ دکھائی دیتا ہے کہ مسلمانوں کا سوادِ اعظم ۶۳ متبعین امام ابوحنیفہ پر مشتمل ہے۔''۶۴

امام اعظم کے طریق اجتہاد پر بحث کرتے ہوئے شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''مذہب حنفی اصول و فروع میں باقی تمام مذاہب سے ممتاز ہے۔ اور استنباط مسائل میں اس کا طریق کار ہی نرالا ہے۔''

عجیب معاملہ ہے کہ امام ابوحنیفہ سنت کی پیروی میں سب آئمہ سے آگے ہیں اور اسی لئے مرسل احادیث کو وہ مستند احادیث کی طرح لائق متابعت جانتے ہیں اا ور اپنی رائے سے بہر صورت مقدم رکھتے ہیں۔''۶۵

دیگر آئمہ بھی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو عزت اور قدر کی نگاہ سے دیکھتے۔ اس ضمن میں حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے لکھتے ہیں: ''امام شافعی فرماتے ہیں کہ تمام فقہاء ابوحنیفہ کے عیال ہیں۔ منقول ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ جب امام اعظم کی قبر کی زیارت کے لئے جاتے تو اپنے اجتہاد کو ترک کر دیا کرتے تھے اور اپنی رائے سے عمل نہیں کیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ مجھے ان (امام ابوحنیفہ) کے سامنے شرم آتی ہے کہ ایسا عمل کروں جو ان کے رائے کے خلاف ہو۔ وہ امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنا چھوڑ دیتے اور فجر کی نماز میں قنوت بھی نہیں پڑھتے تھے۔ یقیناً امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی عظمتِ شان کو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ہی سمجھ سکتے ہیں۔''۶۶

بعض لوگوں نے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا تو ایسے لوگوں کا رد کرتے ہوئے آپ نے لکھا: ''امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو ان کے مخالفین صاحب رائے ۶۷ جانتے ہیں اور ایسے لفظوں سے یاد کرتے ہیں جو بے ادبی پر مبنی ہیں۔ حالانکہ وہ سب آپ کے کمالات کے علمی اور تقویٰ و ورع سے مالا مال ہونے کے معترف ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو توفیق بخشے کہ وہ دین کے سردار اور مسلمانوں کے رئیس کو ایذا نہ پہنچائیں۔ اگر ان کا عقیدہ ہے کہ وہ بزرگ اپنی رائے سے حکم دیتے ہیں اور کتاب وسنت کی پیروی نہیں کرتے تو اس طرح مسلمانوں کا سواد اعظم ان کے زعم فاسد کی رو سے گمراہ اور بدعتی قرار پاتا ہے بلکہ وہ لوگ دائرہ اسلام ہی سے خارج ہو جاتے ہیں مگر وہ جاہل جو خود اپنی جہالت سے بے خبر ہے یا زندیق ایسا عقیدہ رکھے گا جو نصف دین کو باطل کرنا چاہتا ہے۔ بعض نیم ملا چند حدیثیں یاد کر کے شرعی احکام کو ان میں منحصر ٹھہرا لیتے ہیں اور جو چیز ان کی معلومات سے باہر ہے اس کی نفی کرتے ہیں اور جو ان کے نزدیک ثابت نہیں ہے اس کا انکار کرتے ہیں۔'' ۶۸

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے علم وعمل، زہد و تقویٰ اور دیگر کمالات علمیہ و عملیہ نے آپ کو اس مقام تک پہنچا دیا ہے۔ چنانچہ حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ ایک مکتوب میں لکھتے ہیں: ''حضرت امام اعظم کوفی رحمۃ اللہ علیہ کی مثال حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ السلام کی مانند ہے جنہوں نے ورع و تقویٰ کی برکت اور سنت کی متابعت کی بدولت اجتہاد و استنباط میں وہ بلند مقام حاصل کیا ہے کہ دوسرے حضرات کی فہم ان کے سمجھنے سے عاجز و قاصر ہے۔'' ۶۹

دیگر بہت سے مقامات پر حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ نے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے افکار و نظریات، حالات و احوال، عظمت شان، تفقہ و دین داری پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ چند مقامات درج ذیل ہیں:

دفتر اول	مکتوب ۳۸، ۲۱۳، ۲۸۲، ۲۸۴
دفتر دوم	مکتوب ۵۵
دفتر سوم	مکتوب ۱۷، ۳۶، ۱۲۲
مبداؤ معاد	ص: ۱۶۷

فقہ اسلامی کے مآخذ اور حضرت شیخ احمد سرہندی

فقہ اسلامی کے بنیادی ماخذ چار ہیں جنہیں ادلہ اربعہ کہا جاتا ہے۔ ان کے بارے میں حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''شرعی احکام ادلہ اربعہ سے وابستہ ہیں۔ احکام شریعت کے اثبات میں اصل چیز کتاب وسنت ہے اور مجتہدین کا قیاس اور امت کا اجماع بھی احکام کا مثبت ہے۔ ان چار

شرعی دلائل کے سوا کوئی دلیل بھی احکام شرعیہ کی مثبت نہیں ہو سکتی۔۰ے

قرآن، سنت اور قیاس:

قرآن وسنت کی اہمیت بیان کرتے ہوئے آپ لکھتے ہیں: ''جو آدمی قرآن وسنت سے آنکھیں بند کر کے جھگڑنا شروع کر دے وہ بحث سے خارج ہے شیخ سعدی نے فرمایا ہے:

آنکس کہ بقرآن وخبر زو نہ رہی

آنست جوابش کہ جوابش نہ دہی

یعنی جس شخص سے بحث کے وقت تو قرآن وحدیث کے دلائل سے چھٹکارا نہیں پا سکتا اس کا صحیح جواب یہ ہے کہ اس کو بالکل جواب نہ دے۱ے

قرآن کریم، سنت اور قیاس کے بارے میں آپ لکھتے ہیں: ''قرآن مجید کے احکام کی تیسری قسم وہ ہے کہ انسانی طاقت ان کے سمجھنے سے قاصر ہے۔ جب تک اللہ کی طرف سے ان کی اطلاع نہ ہو، ان احکام کو سمجھا نہیں جا سکتا اور اس اطلاع کا حصول پیغمبر کے ساتھ مخصوص ہے اور پیغمبر کے علاوہ اور کسی کو اس کی اطلاع نہیں ہوتی۔ یہ احکام چونکہ قرآن مجید سے ماخوذ ہیں لیکن ان کا اظہار نبی کے ذریعہ سے ہوتا ہے تو مجبوراً ان کو سنت کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ کیونکہ ان کا اظہار سنت کی طرف سے ہوا ہے بلکہ اسی طرح جیسے کہ احکام اجتہادیہ کو قیاس کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ کیونکہ ان کا مظہر قیاس ہے پس سنت اور قیاس دونوں مظہر احکام ہیں اگرچہ ان دونوں میں بہت فرق ہے کہ ان میں سے ایک (قیاس) کا اعتماد تو رائے پر ہے جس میں غلطی کا امکان ہے اور دوسرے سنت کو خدا تعالیٰ کی تائید حاصل ہے جس میں غلطی کی کوئی گنجائش نہیں ہے اور یہ آخری قسم اصل (قرآن مجید) کے ساتھ کمال مشابہت رکھتی ہے۔ گویا کہ احکام کی مثبت یہی ہے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ تمام احکام کی مثبت وہی کتاب عزیز (قرآن مجید) ہے۔۲ے

اجماع اور اجتہاد:

جاننا چاہئے کہ صحابہ کرام کتاب وسنت کے مبلغ ہیں اور اجماع بھی انہی کے زمانہ سے وابستہ ہے۳ے زمانہ نبوت کے ختم ہونے کے بعد احکام اجتہادیہ ظنی ہیں جو مفید عمل تو ہیں لیکن مثبت اعتقاد نہیں ہیں کہ ان کا منکر کافر قرار پائے ہاں اگر مجتہدین کا اجماع کسی حکم پر منعقد ہو جائے تو وہ مثبت اعتقاد بھی ہو جاتا ہے۔۴ے باقی رہا قیاس اور اجتہاد فقہی یہ بالکل بدعت نہیں بلکہ وہ نصوص کے معنی کو ظاہر کرتا ہے۔ کسی نئی چیز یا زائد چیز کو ثابت نہیں کرتا۔۵ے

فقہ اسلامی کے جن ثانوی مآخذ کا حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا درج ذیل ہیں:

ا۔ الہام:

حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مقام پر صوفیاء کے حوالے سے الہام کی اہمیت کو اس طرح بیان کیا ہے: ''ہاں! شرعی احکام ادلہ اربعہ سے وابستہ ہیں کہ الہام کو ان میں کوئی دخل نہیں ہے لیکن امورِ دینیہ احکام شرعیہ کے علاوہ اور بھی بہت سے ہیں کہ جن میں پانچواں اصل الہام ہے بلکہ کہنا چاہیے کہ کہ تیسرا اصل الہام ہے۔ کتاب وسنت کے بعد یہ اصل قیامت تک قائم ہے پس دوسروں کو ان بزرگوں سے کیا نسبت؟ بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ دوسرے لوگ بعض اوقات میں عبادت کرتے ہیں اور وہ عبادت ناپسندیدہ ہوتی ہے اور یہ بزرگوار بعض حالات میں عبادت چھوڑ دیتے ہیں اور وہ چھوڑ نہ پسندیدہ ہوتا ہے۔ تو حق کے نزدیک ان کا ترک دوسروں کے فعل سے بہتر ہے اور عوام اس کے بر خلاف حکم کرتے ہیں اس کو عابد سمجھتے ہیں اور اس کو مکار اور فریبی۔''

سوال: جب دین کتاب وسنت سے مکمل ہو چکا تو مکمل ہونے کے بعد الہام کی کیا ضرورت پڑی اور کیا نقصان رہ گیا تھا جو کہ الہام سے پورا ہوا؟

جواب: الہام دین کے مخفی کمالات کا مظہر ہے، نہ کہ کمالاتِ زائدہ کا مثبت۔ جیسا کہ اجتہاد احکام کا مظہر ہے اسی طرح الہام دقائق واسرار کا مظہر ہے کہ اکثر لوگوں کا فہم اس کو سمجھنے سے قاصر ہے۔ ہر چند کہ اجتہاد اور الہام میں فرق واضح ہے کہ اس (اجتہاد) کا دارومدار رائے پر ہے اور اس (الہام) کا دارومدار اللہ کی ذات پر ہے۔ پس الہام میں ایک قسم کی اصلیت پیدا ہوگئی جو اجتہاد میں نہیں تھی۔ الہام کی مثال نبی کے اعلام کی طرح ہے جو کہ سنت کا ماخذ ہے۔ اگرچہ الہام ظنی ہے اور اعلام قطعی۔''۶؎

اسی مکتوب میں دوسرے مقام پر آپ لکھتے ہیں: ''الہام حلت وحرمت کا مثبت نہیں ہے اور اہلِ باطن کا کشف فرض وسنت کا اثبات نہیں کر سکتا۔ ولایت خاصہ کے مالک اور عام مومن مجتہدین کی تقلید میں برابر ہیں۔ کشف اور الہام سے ان کو کوئی فضیلت نہیں مل سکتی۔''

اصولیین نے الہام کے عدم حجت پر تفصیلی بحث کی ہے۔ ۷؎ حضرت مجدد کا نکتہ نظر اصولیین کے عین مطابق ہے۔ اسی لیے آپ کے نزدیک وحی قطعی اور الہام ظنی ہے۔ ۸؎

قرآن وسنت کی نصوص کو الہام پر ترجیح دیتے ہوئے ملا طاہر بدخشی کو لکھتے ہیں: ''غرض جو کچھ قطعی اور اعتبار کے لائق ہے وہ صرف کتاب وسنت ہے جو وحی قطعی سے ثابت ہوئے ہیں۔ علماء کا اجماع اور مجتہدین کا اجتہاد بھی انہی دو اصلوں کی طرف راجع ہے۔ ان چار شرعی اصولوں کے سوا اور جو کچھ بھی ہو، خواہ صوفیاء کے علوم ومعارف اور ان کے کشف والہام اگر ان اصولون کے مطابق ہیں تو مقبول ہیں ورنہ مردود۔ وہاں وجد وحال کو جب تک شرع کی میزان پر نہ تول لیں، نیم جو سے بھی نہیں

خریدتے۔کشوف والہام کو جب تک کتاب وسنت کی کسوٹی پر نہ پرکھ لیں نیم دام کے برابر بھی پسند نہیں کرتے۔''۷۹

۲۔تعامل:

مطلقاً تعامل استحسان کی دلیل نہیں جوتعامل معتبر ہے،وہ ہے جوابتدائی دور سے آرہا ہو یا پھر تمام لوگوں کے اجماع سے حاصل ہو۔جیسا کہ فتاویٰ غیاثیہ میں ذکر کیا گیا ہے۔شیخ شہید رَحْمَۃُ اللہ عَلَیْہ نے فرمایا ہے کہ ہم مشائخ بلخ کے استحسان کو قبول نہیں کرتے بلکہ ہم متقدمین اصحاب کے اقوال کو قبول کریں گے کیونکہ ایک شہر کا تعامل جواز پر دلالت نہیں کرتا۔جواز پر وہ تعامل دلالت کرے گا جو کہ اسلام کے ابتدائی دور سے لے کر مسلسل چلا آرہا ہو تا کہ یہ رسول اللہ کی تقریر پر دلیل ہو کہ آنخضرت کی شریعت ہوگا اور اگر ایسا نہ ہو تو پھر لوگوں کا فعل حجت نہیں ہوگا۔ماسوا اسی صورت کے تمام آدمی اس پر عمل کریں تا کہ یہ اجماع ہو جائے اور اجماع حجت ہے۔کیا تم اس بات پر غور نہیں کرتے کہ اگر کچھ لوگ شراب کی تجارت یا سود کے رواج کو تعامل بنالیں تو ان کے حلال ہونے کا فتویٰ نہیں دیا جائے گا۔اور اس میں شک نہیں ہے کہ تمام لوگوں کے تعامل اور تمام شہروں اور بستیوں کے عمل کا علم حاصل کرنا بشری طاقت سے باہر ہے۔باقی رہا ابتدائی دور کا تعامل جو کہ حقیقت میں رسول اللہ کا لوگوں کو اس عمل پر برقرار رکھنا ہے وہ درحقیقت آپ ہی کی سنت ہے۔''۸۰

۳۔عرف:

قول یا عمل میں جمہور کی عادت کا نام عرف ہے۔جن مسائل میں کوئی صریح حکم نہ ہو ان کا فیصلہ لوگوں کی عادات کے مطابق ہوتا ہے لیکن عرف کا دائرہ ان ہی حدود تک وسیع رہے گا جن میں شارع نے انسان کو آزادی دی ہے اور جہاں شارع نے پہلے ہی سے تحدید کر دی ہو وہاں عرف وعادات کا اعتبار نہ ہوگا۔

حضرت مجدد الف ثانی رَحْمَۃُ اللہ عَلَیْہ نے ایک مسئلہ کے ذریعے شریعت اسلامی کے اس اصول کی وضاحت کی ہے۔آپ کی بیان کردہ تفصیلات درج ذیل ہیں: جان لیں کہ اس باب میں ہم بھی تردد اور شک رکھتے ہیں عرب کے لوگ پیش چاک پیراہن پہنتے ہیں اور اسے سنت جانتے ہیں اور فقہ حنفی کی بعض معتبر کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ پیش چاک پیراہن مردوں کو نہیں پہننا چاہئے کہ یہ عورتوں کا لباس ہے۔امام احمد وابوداؤد حضرت ابوہریرہ سے روایت کرتے ہیں پیغمبر ﷺ نے فرمایا ہے کہ لعن الرّجل یَلبس لبس المرءة والمرأة تلبس لبس الرّجل

ترجمہ: ''اس مرد پر لعنت ہوتی ہے جو عورت جیسا لباس پہنے اور اس عورت پر لعنت ہوتی ہے جو مرد کا

لباس پہنے۔''

مطالب المومنین میں ہے :''اور عورت مردوں سے مشابہت پیدا نہ کرے اور نہ ہی مرد عورتوں سے مشابہت کرے کیونکہ دونوں گروہوں پر لعنت ہوئی ہے۔''

معلوم ہوتا ہے کہ پیراہن پیش چاک اہل دین اور اہل علم کا لباس نہیں لہٰذا اسلامی حکومت میں رہنے والے کافروں کے لئے یہ لباس تجویز کیا گیا ہے۔

جامع الرموز میں محیط سے نقل ہے :''تو ذمی شخص وہ لباس نہ پہنے جو اہل علم اور اہل دین کے ساتھ خاص ہے بلکہ موٹے کھدر کی قمیص پہنے جس کا چاک سینے پر ہو جیسا عورتوں کا ہوتا ہے۔''

نیز بعض علماء کے قول کے مطابق پیش چاک قمیص نہیں ہے بلکہ درع ہے ان کے نزدیک قمیص یہ ہے کہ جس کا چاک کندھوں کی طرف رکھا گیا ہو۔ جامع الرموز میں عورت کے کفن کے بیان میں ہے (اور ہدایہ میں ہے قمیص کا بدل درع ہے) اور ان دونوں میں فرق یہ بتایا گیا ہے کی درع کا چاک سینے کی طرف ہوتا ہے اور قمیص کا چاک کندھے کی طرف۔ بعض نے دونوں کو ایک قرار دیا ہے۔

فقیر کے نزدیک یہ بات درست دکھائی دیتی ہے کہ جب مردوں کو عورتوں کے مشابہ لباس پہننے سے منع کیا گیا ہے تو ہم دیکھیں گے کہ جس علاقے کی عورتیں پیراہن پیش چاک پہنتی ہیں اس علاقے کے مردوں کو چاہئے کہ عورتوں کی مشابہت ترک کرتے ہوئے گول چاک والا پیراہن پہنیں اور جس علاقے کی عورتیں گول چاک والا پیراہن پہنتی ہیں وہاں مرد ضرورت کی بناء پر پیراہن پیش چاک استعمال کریں۔ عرب کی عورتیں گول چاک ولا پیراہن پہنتی ہیں ،اس لئے وہاں کے مرد پیش چاک کا پیرہن پہنتے ہیں اور ماوراءالنہر اور ہندوستان کی عورتوں کا لباس پیش چاک پیراہن ہے اس لئے مرد گول حلقے والا پیراہن استعمال کرتے ہیں۔

میاں شیخ عبدالحق دہلوی رَحمۃ اللہ علیہ کہتے تھے کہ میں مکے میں تھا تو شیخ نظام نارنولی کے ایک مرید کو دیکھا کہ وہ گول حلقے والا پیراہن پہن کر کعبہ شریف کا طواف کرر ہا تھا اور عربوں کا ایک گروہ اس کرتے پر تعجب کرر ہا تھا کہ اس نے عورتوں کا کرتہ پہنا ہوا ہے تو اعتبار عرف و عادت کا ہے۔ اہل عرب کا عمل بھی درست ہے اور ہندوستان اور ماوَرَاءالنہر والوں کا عمل بھی درست ہے۔ ہر ایک کے لئے ایک جہت ہے جس کی طرف وہ رخ کرتا ہے۔

اگر پیش چاک پیراہن کی سنیت علمائے حنفیہ کے نزدیک ثابت ہوتی تو اس لباس کو ذمی لوگو ں کے لئے جائز قرار نہ دیتے ،اور اہل دین اور اہل علم سے خاص رکھتے۔ چونکہ اس لباس میں عورتیں پیش چاک پہنتی ہیں اس لئے یہاں کے مردوں کا لباس عورتوں کے لباس کے تابع کر دیا گیا۔ ۸۱؎

آپ کے نزدیک زمان ومکاں کی تبدیلی سے عرف بھی تبدیل ہوجاتا ہے۔۸۲؎

درج بالا مباحث سے یہ نکات بالکل واضح ہوتے ہیں:

۱۔ صوفیہ اور فقہا میں حقیقتاً کوئی قلمی اور لسانی جنگ نہیں دونوں نے شریعت اسلامیہ کے بنیادی مآ خذ ''قرآن وسنت'' ہی کو اپنا مآ خذ بنایا اور اطاعت واتباع نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر زور دیا۔

۲۔ صوفیہ نے فقہا کی طرح صرف مسائل کے قانونی پہلوؤں کو ہی نہ دیکھا بلکہ شریعت اسلامیہ کے مزاج اور اساس پر نظر رکھتے ہوئے عدم حرج اور قلت تکلیف کے اصولوں کے پیش نظر عوام کو تنگی اور مشکل سے نکالنے کے لئے آسان قول اختیار کیا۔اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ خاتم النبین ﷺ کی وراثت سے تعلیم کتاب کا فریضہ فقہا نے انجام دیا تو ''تعلیم حکمت'' صوفیہ کا مقدر بنی۔اس طرح دونوں نے اپنے اپنے دائرہ میں اپنے طریقہ کار کے مطابق ''تزکیہ'' اور آیات الٰہی کی نگہبانی کا فریضہ انجام دیا۔فقہاء کے ''ریشۂ معنی'' میں ''نم'' تصوف ہی سے ہے۔

۳۔ فروعی مسائل میں فقہا نے اپنے مؤقف کی تائید کے لئے جو دلائل ذکر کئے صوفیہ نے عموماً ایسے مسائل میں محتاط قول کو اختیار کرتے ہوئے ''جمع بین الاقوال'' کی کوشش کی یہی وجہ ہے کہ بعض حنفی صوفیہ نے کچھ مسائل میں شافعی نقطہ نظر اختیار کیا۔

۴۔ صوفیہ کا یہ علمی،فکری اور تحقیقی اسلوب ہمیں دعوت فکر دیتا ہے کہ سجادہ نشینی،جہالت کے پھیلانے کا نام نہیں بلکہ علم وحکمت کے فروغ کا ایک منصب ہے۔آج عقابوں کے نشیمن (الا ماشاء اللہ) زاغوں کے تصرف میں ہیں۔آستانے اسخوان فروشی اور خود فریبی کے اڈے ہیں۔جلب زر ان کا مقصد وحید بن گیا ہے- حالانکہ خانقاہیں نذرانے وصول کرنے کا مرکز تھیں،مادی وعلمی خیرات تقسیم کرنے کے آستان تھیں۔ جب سے خانقاہوں نے اس فریضہ سے روگردانی کی ہے امت ''عالم پیری'' تک جا پہنچی ہے۔امت کے فکری احیاء کے لئے ضروری ہے کہ خانقاہوں کو علم ودانش کے فروغ کے مراکز میں تبدیل کیا جائے۔اقبال نے اسی بے حسی کا ماتم کرتے ہوئے کہا تھا:

رہا نہ حلقۂ صوفی میں سوزِ مشتاقی
فسانہ ہائے کرامات رہ گئے باقی۸۳؎

قم باذن اللہ کہہ سکتے تھے جو،رخصت ہوئے
خانقاہوں میں مجاور رہ گئے یا گورکن۸۴؎

حواشی

۱۔ ان تعریفات کیلئے ملاحظہ فرمائیں السبکی ،علی بن عبدالکافی ،**الابھاج فی شرح منھاج**،مکتبہ الکلیات الازہریہ قاہرہ ،جلداول ،ص:۲۸/ وھبہ الزحیلی ،الدکتور،**الفقہ الاسلامی و ادلتہ**، دارالفکر بیروت ۱۹۹۷۔ چندتعریفات درج ذیل ہیں:

i. **معرفة النفس مالھاوماعلیھا**

ii. **العلم بالاحکام الشرعیة العملیه مع ادلتھا**

iii. **أن الفقه یطلق علی مجموعه الاحکام والمسائل الشرعیة العملیة**۔

۱۔ (الف) المائدہ:۳]

۲۔ الزرقاء، مصطفیٰ احمد، المدخل الفقھی العام، جزءاول ص:۵۵-۵۶]

۳۔ قرآن کریم سے ایسی چندآیات درج ذیل ہیں:

النساء:۹،۱۲۹-۱۲۸ المائدہ:۱۰۸الطلاق:۱-۱۲البقرہ:۲۲۳،۲۳۱،۲۳۷،۲۴۱

۴۔ چندمثالیں درج ذیل ہیں:

الاحزاب:۵۵،۵۹،۳۰،۳۵'النور:۶۰،۳۰،۳۳،۲۳'النساء:۱۴،۱۶،۱۲۹،۲۵'البقرہ:۲۳۴'المجادلہ:۲

۵۔ شامی ،محمدامین،ابن عابدین،ردالمختارعلی درالمختار،المکتبہ الماجد،کوئٹہ،۱۳۹۹ھ،جلداول ،ص:۲۹

۶۔ امام قرطبی اوران کی تفسیر کاعلمی مقام از ڈاکٹر حافظ اکرام الحق درفکرونظر،اسلام آباد،جلد۴۲، شمارہ۲،اکتوبر-دسمبر۲۰۰۴،ص:۱۰-۱۱

۷۔ ابوالحسن ندوی،سید،تاریخ دعوت وعزیمت،مجلس نشریات اسلام کراچی،حصہ دوم،ص:۱۶۸

۸۔ ملاعلی قاری،مرقاۃ شرح مشکوۃ،جلد۴،ص:۴۲۷]

۸۔(ل) یہ صحیح بخاری میں کتاب الایمان کی معروف حدیث ہے۔حدیث کی اصطلاح میں ''احسان'' کی کیفیت کو ہی ہماری زبان میں تصوف کہا جاتا ہے۔اس میں ایمان،اسلام اوراحسان تینوں کا تذکرہ ہے اسی وجہ سے قاضی عیاض نے لکھا ہے:**اشتمل ھذا الحدیث علی جمیع وظائف العبادات الظاھرة والباطنة......حتی أن علوم الشریعة کلھاراجعة الیه ومتشعبةمنه**(ابن حجرعسقلانی،فتح الباری،دارالنشر الاسلامیہ لاہور۱۹۸۱جلد اول، ص:۱۲۴) ملاعلی قاری اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:**متضمن للشریعة والطریقة والحقیقة بیاناًاجمالیاًعلی الوجه الاتم الذی علم تفاصیلھامن السنن النبویة والشرائع المصطفویةعلی صاحبھا الوف التحیة**.(محمدادریس کاندھلوی،التعلیق

الصبح ،دمشق ،جلداول ص:۲۲)

۹- اس کتاب کا اردو ترجمہ تعارف فقہ وتصوف کے نام سے المتاز پبلی کیشنز لاہور سے ۱۴۲۰ھ/ ۱۹۹۹ء میں پہلی مرتبہ شائع ہوا۔ مترجم ممتاز عالم وصوفی شیخ عبدالحکیم شرف قادری ہیں]

۱۰- شیخ عبدالحکیم شرف قادری کے احوال کے لئے دیکھیں محمد عبدالستار طاہر کی محسن اہل سنت اور تذکار شرف جو مکتبہ قادریہ لاہور سے شائع ہوئی ہیں۔

۱۱-

۱۲- محدث دہلوی، شیخ عبدالحق ،تعارف فقہ وتصوف ،مترجم محمد عبدالحکیم شرف قادری، المتاز پبلی کیشنز لاہور، ۱۴۲۰ھ، ص:۱۲۳]

۱۳- سورۃ البقرۃ کی آیت: وَاِذِابْتَلٰى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ. (۱۲۴) میں حضرت ابراھیم علیہ السلام کے مضامین امتحان کی وضاحت میں مفتی محمد شفیع نے لکھا ہے: یہی مضامین امتحان جن کی تفصیل آگے بیان ہوگی، مدارس کے امتحانات کی طرح فنی مسائل اوران کی تحقیقات نہیں، بلکہ اخلاقی قدروں اور عملی ثابت قدمی کی جانچ ہے، اس سے معلوم ہوا کہ بارگاہ عز وجلال میں جس چیز کی قیمت ہے وہ علمی موشگافیاں نہیں، بلکہ عملی اور اخلاقی برتری ہے۔'' محمد شفیع، مفتی، معارف القرآن، ادارۃ المعارف کراچی ۱۹۸۹ء جلداول، ص:۳۱۰]

۱۴- بعض حضرات کو حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ سے اس کتاب کی نسبت میں تامل ہے مگر قدیم وجدید تمام تذکرہ نگاروں نے اس کتاب کو آپ سے منسوب کیا ہے۔ ایسے چند نام درج ذیل ہیں۔ امام ذہبی، ابن کثیر، ابن رجب، ابن تیمیہ، محمد بن یوسف الصالحی ،مجدد الف ثانی ،شاہ ولی اللہ، نواب صدیق حسن بھوپالی، عبدالحکیم سیالکوٹی، قاضی ثناء اللہ پانی پتی ،ملا علی قاری، الشیخ احمد رضا خاں بریلوی

۱۵- عبدالماجد دریابادی، تصوف اسلام، اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور، ۱۹۸۰، ص:٦

۱٦- The Encyclopaedia of Islam, Vol:1,P:61

۱۷- خلیق احمد نظامی، پروفیسر، تاریخ مشائخ چشت، دائرۃ المصنفین اسلام آباد جلد ۵، ص:۱۰۱

۱۸- تاریخ مشائخ چشت، ص:۳۳۲

۱۹- کتاب مذکور، ص:۳۴۲

۲۰- حوالہ سابق ص:۳۵۹

۲۱- احوال حیات اور دیگر معلومات کے لئے ملاحظہ فرمائیں، محمد مسعود، فتاوی مسعودیہ مرتبہ ڈاکٹر

محمد مسعود احمد، سرہند پبلی کیشنز کراچی ۱۹۸۷
۲۲- محمد محسن بن یحییٰ، شیخ، الیانع الجنی، جید پریس دہلی، ۱۳۴۹، ص:۹۹
۲۳- سالم قدوائی، ڈاکٹر، ہندوستانی مفسرین اور ان کی عربی تفسریں، ادارہ معارف اسلامی لاہور، ۱۹۹۳، ص:۱۰۸
۲۴- غلام علی دہلوی، شاہ، مقامات مظہری، ترجمہ و تحقیق محمد اقبال مجددی، اردو سائنس بورڈ لاہور، ص:۳۹۰، ۴۳۴، ۴۳۴]
۲۵- محمد اسحاق بھٹی، فقہائے ہند، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، ۱۹۷۹ جلد پنجم، ص:۹۶-۱۰۰
۲۶- تاریخ فقہائے ہند، جلد چہارم، حصہ اول، ص:۲۵۸
۲۷- فقہائے ہند جلد ۵، ص:۲۲۷
۲۷-(الف) پیر مہر علی کو اقبال لکھتے ہیں ''اس وقت ہندوستان بھر میں کوئی اور دروازہ نہیں جو پیش نظر مقصد کے لئے کھٹکھٹایا جا سکے۔(قدوسی، اعجاز الحق، اقبال کے محبوب صوفیہ، اقبال اکادمی ۱۹۷۶، ص:۵۴۵)
۲۸- فیض احمد فیض، مہر منیر، پاکستان انٹرنیشنل پرنٹرز، لاہور، ۱۳۷۶، ص:۵۶۶
۲۹- امیر خورد، سید محمد مبارک علوی کرمانی، سیر الاولیاء ترجمہ اعجاز الحق قدوسی، اردو سائنس بورڈ لاہور ۱۹۹۲ء ص:۲۰۶
۳۰- مناظر احسن گیلانی، مولانا، پاک و ہند میں مسلمانوں کا نظام تعلیم، مکتبہ رحمانیہ لاہور، حصہ اول ص:۱۴۴
۳۱- یہ کتاب وقایہ کے قائم مقام تھی اور ابن الساعاتی کی تصنیف ہے] بھی شامل ہیں۔
۳۲- احوال حیات کے لئے ملاحظہ فرمائیں: حامد بن فضل اللہ جمالی، سیر العارفین، مترجم محمد ایوب قادری، اردو سائنس بورڈ لاہور، ۱۹۸۹ء ص:۹۴-۹۷/سیر الاولیاء ص:۵۱۴-۴۳۳
خواجہ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ کے اس سچے عقیدت مند کے وفور علم کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ جب سماع کے مسئلہ پر مناظرہ ہوا تو آپ نے اس وقت کے جید علماء کے سامنے کہا: اگر تم سماع کو حرام کہو تو میں اس کو حلال ثابت کر سکتا ہوں۔ اگر تم حلال کہو تو میں اسے حرام ثابت کر سکتا ہوں۔ سیر الاولیاء ص:۴۲۴
۳۳- سیر الاولیاء ص:۴۱۷
۳۴- غائبانہ نماز جنازہ کے لئے احناف کے مؤقف کی مدلل و مفصل وضاحت دیکھئے الشیخ احمد رضا خاں کا رسالہ ''الھادی الحاجب عن جنازۃ الغائب'' در فتاوی رضویہ (جدید) جلد ۹، ص:۳۱۷-۳۶۹، رضا فاؤنڈیشن لاہور ۱۹۹۶

۳۵- نثار احمد فاروقی، مقدمہ فوائد الفواد، زاویہ لاہور ۱۹۹۸ء ص: ۱۳۵

۳۶- مقدمہ فوائد الفواد: ۱۱۹

۳۶-(الف) اس مناظرہ کی روداد پروفیسر خلیق احمد نظامی نے اس طرح بیان کی ہے: قرون وسطیٰ میں سماع کا مسئلہ علماء اور صوفیہ کے درمیان زبردست اختلافی مسئلہ تھا۔ غیاث الدین تغلق پر چونکہ علماء وفقہاء کا اثر تھا اس لیے انہوں نے شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے خلاف محضر طلب کرنے پر اُسے آمادہ کرلیا۔ سیر الاولیاء کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان نے یہ فیصلہ شیخ سے کسی ذاتی مخاصمت یا مخالفت کی بناء پر نہیں کیا تھا بلکہ وہ اس مسئلہ کی صحیح نوعیت کو سمجھنا چاہتا تھا۔ بعض حالات نے فضا کو ناخوشگوار بنادیا تھا۔ شیخ کے آخری تین سال کے ملفوظات میں کئی جگہ اباحتِ سماع کے متعلق جو گفتگو ملتی ہے اس سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں خانقاہ کے باہر مخالفت کا ایک طوفان برپا تھا۔ دوسری اہم بات جو اس سلسلہ میں نظر انداز نہیں کی جاسکتی یہ ہے کہ بعض علماء (مثلاً شیخ زادہ حسام الدین فرجام اور قاضی جلال الدین لوانجی) جنہوں نے سلطان کو محضر طلب کرنے پر تیار کیا تھا شیخ سے ذاتی عناد رکھتے تھے۔ اس محضر میں دہلی کے بیشتر علماء واکابر کو مدعو کیا گیا تھا۔ شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے حلقہ مریدین میں گو بہت سے جید عالم اور ماہرین فقہ شامل تھے لیکن انہوں نے کسی کو اپنے ساتھ محضر میں لے جانا پسند نہیں کیا۔ قاضی محی الدین کاشانیؒ اور مولانا فخر الدین زرادیؒ شیخ کی بغیر اجازت محضر میں شریک ہوگئے تھے۔ بحث شروع ہونے سے قبل قاضی جلال الدین نائب حاکم نے شیخ کو دھمکایا کہ اگر انہوں نے آئندہ سماع کی مجلس منعقد کی تو اُن کو سزا دی جائے گی۔ یہ گفتگو شیخ کو ناگوار ہوئی۔ پھر شیخ زادہ حسام الدین نے سماع کی مخالفت میں پُر جوش تقریر کی شیخ نے ان کی طرف متوجہ ہوکر فرمایا: زیادہ جوش وخروش مت کرو پہلے یہ تو بتاؤ کے سماع کے معنی کیا ہیں؟ شیخ زادہ جب معنی بتانے سے قاصر رہے تو شیخ نے اُن سے اس مسئلہ پر گفتگو کرنے سے انکار کردیا۔ اسی اثناء میں مولانا علیم الدین نبیرہ شیخ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ تشریف لے آئے اور انہوں نے سلطان کی فرمائش پر اپنے خیالات کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ اہل حال کے لیے سماع حلال ہے اور انہوں نے اس مسئلہ پر اپنے ایک رسالہ مسئلہ مقصدہ میں بحث کی ہے۔ انہوں نے یہ بھی بتایا کہ بغداد، شام، روم میں مشائخ کو سماع سے کوئی منع نہیں کرتا۔ صاحب سیر الاولیاء کے زمانہ میں اس مباحثہ اور محضر کے نتیجہ پر لوگوں میں اختلافِ رائے تھا۔ بعض کی رائے تھی کہ سلطان نے سماع کے متعلق کوئی حکم صادر کرنے سے انکار کردیا تھا۔ کچھ کا خیال تھا

کہ سلطان نے شیخ کوتو اجازت دے دی تھی لیکن حیدریوں اور قلندروں کو سماع سننے سے منع کر دیا تھا۔ ضیاء الدین برنی نے اپنی ایک کتاب حسرت نامہ میں اس محضر کا پورا حال درج کیا تھا۔ افسوس ہے کہ وہ کتاب اب دستیاب نہیں۔ میر خورد صاحب سیر الاولیاء نے اس کتاب سے ایک اقتباس نقل کیا ہے جس کا ترجمہ درج ذیل ہے۔

''جب سلطان المشائخ مناظرہ سے فارغ ہو کر مکان پر تشریف لائے تو ظہر کی نماز کے وقت مجھے اور مولانا محیی الدین کاشانی اور امیر خسرو شاعر کو طلب کیا۔ ہم لوگوں کو جب سعادتِ قدم بوسی حاصل ہوئی تو فرمایا: دہلی کے علماء میری دشمنی اور عداوت سے پُر تھے۔ انہوں نے میدان فراخ پایا اور عداوت سے بھری ہوئی بہت سی باتیں کہنی شروع کیں اور ایک نہایت تعجب اور حیرت کی بات آج یہ دیکھی گئی کہ محل محبت میں جناب نبی کریم کی صحیح حدیثیں سننے سے انہوں نے صاف انکار کر دیا اور وہ لوگ بڑی جرات اور بیبا کی سے کہتے تھے کہ ہمارے شہر میں روایت فقہ حدیث پر مقدم ہے۔ اور کہتے تھے کہ یہ حدیث شافعی کی متمسک ہے اور وہ ہمارے علماء کا دشمن ہے، ہم ایسی حدیثیں ہرگز نہیں سنتے۔ میں نے کسی ایسے عالم کو دیکھا یا سنا نہیں کہ اس کے سامنے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ صحیح حدیثیں روایت کی جائیں اور کھلم کھلا کہے کہ میں نہیں سنتا اور نہیں جانتا۔ یہ کیسا زمانہ ہے۔ تعجب ہے کہ جس شہر میں اس درجہ مکابرہ کیا جائے اور اس درجہ عناد وحسد برتا جائے اور وہ پھر آباد و معمور رہے۔ یہ شہر تو اس قابل ہے کہ اس کی اینٹ سے اینٹ بجادی جائے اور بالکل تباہ و برباد کر ڈالا جائے۔ جب بادشاہ اور امراء اور خلق، شہر کے قاضی اور نامور علماء سے یہ سنیں کہ اس شہر میں حدیث پر عمل نہیں ہے تو اُن کا اعتقاد احادیث پیغمبر ﷺ پر کیونکر راسخ و ثابت ہو سکتا ہے۔

برنی کی اس روایات سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شیخ نظام الدین اولیاءؒ اس محضر سے سخت دل برداشتہ اور کبیدہ خاطر واپس آئے تھے اور وہ علماء دہلی کی طرف سے سخت شاکی تھے لیکن برنی یا میر خورد کسی کے بیان سے یہ شبہ نہیں ہوتا کہ وہ سلطان غیاث الدین کے طرز عمل سے بھی کسی طرح ناخوش تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ کسی معاصر مورخ یا تذکرہ نویس نے یہ نہیں لکھا کہ شیخ اور سلطان غیاث الدین تغلق کے درمیان تعلقات میں کسی طرح کی کشیدگی پیدا ہوگئی تھی۔

(خلیق احمد نظامی، پروفیسر، سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات، نگارشات، لاہور: ۱۹۹۰ء، ص ۳۱۸-۳۱۵

علامہ سید سلیمان ندوی مرحوم اس واقعہ پر اظہار رائے کرتے ہوئے لکھتے ہیں: لیکن یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ اس عظیم الشان مناظرہ میں کون سی حدیثِ صحیح پیش ہوئی تھی تا کہ اس عہد کی حدیث دانی کا صحیح

اندازہ ہو سکے۔ مورخ فرشتہ شیخ کے حال میں لکھتا ہے:

''قاضی رکن الدین شیخ را گفت، اے درویش! دربابت سرورو سماع چہ حجت داری، شیخ بحدیث نبوی ''السماع مباح لاھله ومتمسک به'' گشت۔ قاضی گفت ترا بحدیث چہ کار تو مرد مقلدی، روایتے از ابوحنیفہ بیار تابعرض قبول افتد شیخ گفت، سبحان اللہ، من حدیث صحیح مصطفوی نقل می کنم و تو ازیں روایت ابوحنیفہ می خواہی۔ شاید کہ ترا رعونت حکومت بریں می دارد، زود ازیں عہدہ معزول می شوی...... پادشاہ چوں حدیث پیغمبر شنید، متفکر شدہ ہیچ نہ گفت۔''

اس کے بعد ان الفاظ کے بارے میں جو شیخ نظام الدین اولیاءؒ نے بطور حدیث رسول اکرم ﷺ بیان کیے۔ سید صاحب مرحوم لکھتے ہیں: اس فقرہ کو حدیث کہنا شاید فرشتہ کی غلطی ہو۔ یہ فقرہ امام غزالی نے احیاء العلوم الدین میں بطور فتویٰ نقل کیا ہے۔ (مقالات سلیمان، حصہ دوم، مرتبہ شاہ معین الدین ندوی، ص: ۷)

پروفیسر خلیق احمد نظامی نے خود اس واقعہ میں اختلاف کی نوعیت پر تبصرہ کرتے ہوئے جو نتیجہ نکالا ہے وہ یہ ہے کہ یہ ''اجتہاد و تقلید کے بنیادی اصولوں پر اختلاف رائے تھا۔ (ص: ۳۱۸) پوری عبارت اس طرح ہے'' جمالی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ علماء دہلی نے اجتہاد شخصی پر اعتراض کیا تھا اور شیخ سے کہا تھا:

تو مجتہد نیستی کہ تمسک بحدیث نمائی۔ مردے مقلد روایتے از ابوحنیفہؒ بیار۔ (سیر العارفین ص: ۸۹)

مولانا فخر الدین زرادیؒ نے اپنے رسالہ ''اصول السماع'' میں جس طرح اس بحث کو اٹھایا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اجتہاد و تقلید کے بنیادی اصولوں پر اختلاف رائے تھا۔

(سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات، نگارشات لاہور ۱۹۹۰ء ص: ۳۱۸)

۳۷- سیر الاولیاء، ص: ۸۰۵

۳۸- سیر الاولیاء ص: ۵۷۵.

۳۹- کتاب مذکورہ، ص: ۵۹۹

۴۰- کتاب مذکورہ، ص: ۶۰۲

۴۱- کتاب مذکور ص: ۶۰۲

۴۲- کتاب مذکور، ص: ۶۱۱

۴۳- الشیخ احمد رضا خاں قادری نے سجدہ تعظیمی کی حرمت پر صحاح ستہ، مسند احمد، مسند بزار، مستدرک حاکم، اور دیگر کتب احادیث سے چالیس احادیث اکٹھی کی ہیں جبکہ کتب فقہ سے ۱۸۵ حوالہ جات دیئے ہیں۔ احمد رضا قادری، الشیخ، فتاوی رضویہ، دار العلوم امجدیہ، کراچی ص: ۲۱۶ تا ۲۳۰]

۴۵- فوائد الفواد ص: ۳۴۲

۴۶- کتاب مذکورہ، ص: ۶۰۴

۴۷- کتاب مذکورہ، ص: ۶۰۹

۴۸- کتاب مذکور، ص: ۶۱۸

۴۹- نظام الدین اولیاء، فوائد الفواد، مرتبہ امیر حسن سنجری، مترجم خواجہ حسن نظامی، زاویہ لاہور ۱۹۹۸ء حصہ سوم نویں مجلس ص: ۲۷۰

۴۹-(ا) مُنیَر بروزن مُعْظَمْ) ضلع پٹنہ کا ایک قصبہ ہے۔ آپ کے جدامجد ۵۷۶ھ میں یہاں تشریف لائے

۵۰- ان تفصیلات کے لئے ملاحظہ فرمائیں: محمد نعیم ندوی، ڈاکٹر سید شاہ، مکتوب صدی، مقدمہ مکتوبات صدی، سعید ایچ ایم کمپنی کراچی ۱۹۸۹ء، ص: ۱۲۳

احوال حیات اور کارہائے نمایاں کے لئے دیکھئے علی میاں، ابوالحسن ندوی، تاریخ دعوت وعزیمت، مجلس نشریات اسلام کراچی، جلد ۳، ص: ۱۷۷-۳۱۲

۵۱- اقتدار حسین صدیقی، پروفیسر، فردوسی سلسلہ اور شیخ شرف الدین یحیٰی منیری، تحقیقات اسلامی علی گڑھ انڈیا، جلد ۶، شمارہ ۲، ۱۹۸۷ء، ص: ۴۲

۵۲- صباح الدین عبدالرحمٰن، بزم صوفیہ، زوایہ، لاہور ۲۰۰۳ء ص: ۴۹۵

۵۳- شمی، محمد ہاشم، زبدۃ المقامات، نول کشور، ۱۳۰۷ھ، ص: ۲۲۴

۵۴- کتاب مذکورہ، ص: ۱۹۷

۵۵- یوسف بنوری، علامہ معارف السنن، سعید اینڈ کمپنی کراچی ۱۳۹۵ھ، جلد: ۲، ص: ۱۰۱

۵۶- مجدد الف ثانی، شیخ احمد سرہندی، مکتوبات امام ربانی، مترجم سعید احمد نقشبندی، مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی، ۱۹۷۶ء دفتر اول، مکتوب ۲۹

۵۷- اصولِ فقہ کی مشہور کتاب جس کے مصنف علامہ تفتازانی (م: ۷۹۲ھ/۱۳۹۰ء) ہیں۔

۵۸- فقہ کی مشہور کتاب ہے اس کے مصنف برہان الدین ابوالحسن علی بن ابوبکر الفرغانی المرغیانی (متوفی ۵۹۳ھ/۱۱۹۷ء) ہیں۔ آپ ایک بلند پایہ فقیہ تھے۔ ہدایہ انہوں نے ۱۳ سالوں میں مکمل کی۔ اس کے تراجم دنیا کی کئی زبانوں میں ہو چکے ہیں۔ کثرت سے اس کی شروح لکھی

گئی ہیں۔ مقبول ترین شرح فتح القدیر (ابن الہمام، م:۸۶۱ھ) ہے۔

۵۹۔ مکتوبات دفتر اول، مکتوب:۸

۶۰۔ مکتوبات دفتر اول، مکتوب:۲۷۸

۶۱۔ امام اعظم، نعمان بن ثابت (۸۰ھ-۱۵۰ھ) کے حالات پر بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں۔ چند درج ذیل ہیں:

۱۔ مناقب الامام ابی حنیفہ/ محمد بن ابن نیشاپوری (م:۳۵۷ھ)

۲۔ مناقب الامام ابی حنیفہ/ حافظ الدین الخوارزمی (م:۸۲۷ھ)

۳۔ مناقب الامام الاعظم ابی حنیفہ/ ابن الضیاء المکی (م:۸۵۴ھ)

۴۔ شرح قصیدہ العمری فی مدح الامام ابی حنیفہ/ محمد امین الطبقجلی (م:۱۲۷۲ھ)

۵۔ مناقب الامام ابی حنیفہ/ محمد بن ابراہیم الکلشنی (م:۱۱۳۶ھ)

۶۔ شقائق النعمان فی مناقب النعمان/ محمد عمر زمخشری (م:۵۳۸ھ)

۷۔ المطالب المنفیۃ فی الذب عن الامام ابی حنیفہ/ الواعظ البغدادی (م:۱۳۳۱ھ)

۸۔ مناقب الامام ابوحنیفہ/ خطیب خوارزم الموفق بن احمد (م:۵۶۸ھ)

۹۔ مواہب الرحمان فی مناقب الامام ابی حنیفہ النعمان اسماعیل حقی المناستری (م:۱۳۳۰ھ)

۱۰۔ مناقب الامام ابی حنیفہ/ مستقیم زادہ (م:۱۲۰۲ھ)

۱۱۔ کشف الآثار الشریفۃ فی مناقب الامام ابی حنیفہ عبداللہ بن محمد السبذمونی (م:۳۴۰ھ)

۱۲۔ فضائل ابی حنیفہ/ ابن ابی العوام

۱۳۔ البستان فی مناقب ابی حنیفہ النعمان ابن ابی الوفاء (م:۷۷۵ھ)

۱۴۔ الدرر المنفیۃ فی الرد علی ابن ابی شیبۃ عن الامام ابی حنیفہا بن ابی الوفاء (م:۷۷۵ھ)

۱۵۔ مناقب الامام اعظم/ علی بن عبدالعزیز المرغینانی (م:۵۰۶ھ)

۱۶۔ المواہب لاشریفۃ فی مناقب الامام ابی حنیفہ علی بن ابوالقاسم زید البیہقی (م:۵۶۵ھ)

۱۷۔ الاجوبۃ المنفیۃ عن اعتراضات ابن ابی شیبۃ علی ابی حنیفہ قاسم بن قطلوبغا (م:۸۷۹ھ)

۱۸۔ النکت الطریفۃ فی التحدث عن ردود ابن ابی شیبۃ علی ابی حنیفہ زاہد الکوثری (م:۱۳۷۲ھ)

۱۹۔ الخیرات الحسان/ احمد بن حجر مکی

۲۰۔ ابوحنیفہ، آراؤہ فقہ/ محمد ابوزہرہ مصری

۲۱۔ امام ابوحنیفہ کی تدوین قانون اسلامی/ ڈاکٹر محمد حمید اللہ

۲۲۔ امام اعظم ابوحنیفہ/مفتی عزیز الرحمن

۲۳۔ امام اعظم اور علم حدیث/محمد علی صدیقی

۲۴۔ اخبار ابی حنیفہ واصحابہ/ قاضی حسین بن علی (م:۴۳۶ھ)

۲۵۔ تبییض الصحیفہ فی مناقب ابی حنیفہ/ امام سیوطی

۲۶۔ مناقب الامام الاعظم/ ملا علی قاری

۲۷۔ المناقب/محمد معروف بہ ابن البز از الکردی (م:۸۲۷ھ)

۲۸۔ مناقب الامام ابی حنیفہ وصاحبیہ/ احمد ذہبی

۲۹۔ سیرۃ النعمان/ علامہ شبلی نعمانی

۳۰۔ سوانح بے بہائے امام اعظم ابوحنیفہ/ ابوالحسن زید فاروقی

۳۱۔ مقام ابی حنیفہ/محمد سرفراز خاں صفدر۔شیر نوروز خان نے امام ابوحنیفہ پر لکھی گئی اہم کتب اور مقالا کی فہرست مرتب کی ہے۔جن کی تعداد ۱۱۴ ہے۔(فکرونظر، ج:۳۶،شمارہ:۲،اکتوبر۔دسمبر ۱۹۹۸ء، ص:۱۰۱تا۱۱۷)

۶۲۔ مکتوبات، دفتر دوم، مکتوب:۵۵

۶۳۔ ڈاکٹر مسعود احمد حنفی المسلک لوگوں کی دنیا میں تعداد کے بارے میں لکھتے ہیں:''چند سال قبل ایک عرب محقق نے آئمہ اربعہ کے پیروکاروں کے اعداد وشمار جمع کئے تھے۔اس کے مطابق حنفیوں کی تعداد ساڑھے چھیاسی کروڑ، شوافع کی ساڑھے چار کروڑ اور امام مالک کے پیروکاروں کی تعداد چار کروڑ جبکہ حنبلی چالیس لاکھ ہیں۔''(صراط مستقیم، ص:۵۹)اس طرح احناف مسلمانوں کی کل آبادی کا دوتہائی ہیں۔آج کل حنفی مذہب کے پیروکار افغانستان، پاکستان، ہندوستان، بنگلہ دیش، عراق، ترکی، شام، ترکمانستان، تاجکستان، ازبکستان، بوسنیا، البانیہ، بلقان، میں بکثرت ہیں۔جبکہ ایران، انڈونیشیا، برازیل، برما، سری لنکا، ملائشیا، تھائی لینڈ، سعودی عرب، فلسطین، یمن وغیرہ میں احناف قلیل تعداد میں آباد ہیں۔

۶۴۔ دفتر دوم، مکتوب:۵۵

۶۵۔ ایضاً

۶۶۔ مجدد الف ثانی، شیخ احمد سرہندی، مبداؤ معاد، ادارہ مجددیہ کراچی ۱۹۸۴ء، ص ۱۶۷

۶۷۔ علمائے احناف کو اصحاب الرائے اس لئے نہیں کہا جاتا کہ وہ معاذ اللہ اپنی رائے کو حدیث پر مقدم کرتے ہیں بلکہ وہ اس لئے اصحاب الرائے کہلاتے ہیں کہ وہ قیاس کی علت کی جستجو میں خاص

اہتمام کرتے ہیں اور وہ مشکل حدیث کو اپنی رائے اور سمجھ سے حل کرتے ہیں یا ایسے مقام پر وہ قیاس اور رائے سے کام لیتے ہیں۔ جس میں کوئی حدیث موجود نہیں ہوتی۔

۶۸- مکتوبات، دفتر دوم، مکتوب ۵۵

۶۹- ایضاً

۷۰- مجدد الف ثانی، احمد سرہندی رَحْمَۃُ اللہ علیہ، مکتوبات، دفتر دوم، مکتوب: ۵۵

۷۱- مجدد الف ثانی، احمد سرہندی رَحْمَۃُ اللہ علیہ، مکتوبات، دفتر سوم، مکتوب: ۲۴

۷۲- مجدد الف ثانی، احمد سرہندی رَحْمَۃُ اللہ علیہ، مکتوبات، دفتر دوم، مکتوب: ۵۵

۷۳- مجدد الف ثانی، احمد سرہندی رَحْمَۃُ اللہ علیہ، مکتوبات، دفتر سوم، مکتوب: ۲۴

۷۴- مجدد الف ثانی، احمد سرہندی رَحْمَۃُ اللہ علیہ، مکتوبات، دفتر دوم، مکتوب: ۳۶

۷۵- مجدد الف ثانی، احمد سرہندی رَحْمَۃُ اللہ علیہ، مکتوبات، دفتر اول، مکتوب: ۱۸۶، ۲۶۰

۷۶- مجدد الف ثانی، احمد سرہندی رَحْمَۃُ اللہ علیہ، مکتوبات، دفتر دوم، مکتوب: ۵۵

۷۷- البنانی، حاشیۃ البنانی علیٰ جمع الجوامع، مطبع اصح المطابع بمبئی، ج ۲، ص: ۳۸۶

۷۸- مجدد الف ثانی، احمد سرہندی رَحْمَۃُ اللہ علیہ، مکتوبات، دفتر اول، مکتوب: ۴۱

۷۹- مجدد الف ثانی، احمد سرہندی رَحْمَۃُ اللہ علیہ، مکتوبات، دفتر اول، مکتوب: ۲۱۸

۸۰- مجدد الف ثانی، احمد سرہندی رَحْمَۃُ اللہ علیہ، مکتوبات، دفتر دوم، مکتوب: ۵۴

۸۱- مجدد الف ثانی، احمد سرہندی رَحْمَۃُ اللہ علیہ، مکتوبات، دفتر اول، مکتوب: ۳۱۲

۸۲- مجدد الف ثانی، احمد سرہندی رَحْمَۃُ اللہ علیہ، مکتوبات، دفتر اول، مکتوب: ۲۳۱

۸۳- محمد اقبال علامہ، کلیات اقبال، بال جبرئیل، اقبال اکادمی لاہور ۱۹۹۴ء ص: ۳۹۳]

۸۴- نفس مصدر، ص: ۴۹۱]